نذرِ عقیدت

یعنی

مدیحِ ہز اگزالٹڈ ہائی نس آصف جاہ سابع
سلطان العلوم خسروِ دکن صانہا اللہ عن الفتن

گزرانیدۂ

محوی

سنہ ۱۳۴۳ ہجری

http://dli.iiit.ac.in برچیده از کتابخانه دیجیتال هندوستان
http://www.KetabFarsi.com باز تکثیر از کتابخانه کتاب فارسی

تبصرہ

از جناب مولانا الحاج محمد حبیب الرحمن خاں نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی

ایک وقت تھا کہ شیراز اور اصفہان کی بادِ بہاری فلک نما پہاڑوں کو طے کر کے ہندوستان کے میدانوں کو بھی رشکِ گلزار بناتی تھی۔ یہ بہاریں صدیوں تک آتی اور ہندوستان کو چمنستان بناتی رہیں۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔

لوگ کہیں گے گل و بلبل، شمع و پروانہ کے افسانے میں کیا رکھا تھا۔ یہ وہ کہیں گے جو حقیقت سے بیگانہ ہیں، واقعات سے ناآشنا ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ادبِ فارسی نے اہلِ ہند کے دل و دماغ کے شگفتہ کرنے اور معاملہ فہم اور حقیقت سنج بنانے میں جو حصہ لیا (اور بہت بڑا حصہ لیا) اُس کے آثار شکر ہے اب بھی بہت کچھ باقی ہیں۔ عمارتوں میں تاج گنج، دلّی کی جامع مسجد مثلاً لو، صنعت و حرفت میں کشمیر کی شال لو، ڈھاکہ کی ململ لو، معاملہ فہمی میں ٹوڈرمل اور ابوالفضل کو لو۔ بالآخر سب کا مجموعہ شاہانِ تیموریہ کو لو۔ وہ سب کے سب فارسی ادب کے فیض یافتہ تھے جن کی ممنونِ ایجاد یہ عمارتیں، یہ صنعتیں اور

اراضی کے بندوبست وغیرہ بیسیوں ترقی انسانی کے سرچشمے تھے۔

شیر شاہ جس نے اپنی جہاں بانی کی قوت سے ایک عالم کو حیرت میں ڈالا ہے اُس کے مورخ لکھتے ہیں کہ گلستان اور بوستان کی اکثر حکایتیں اُس کو ازبر تھیں اور اُس کی خلوت و جلوت اور رزم و بزم کی رفیق و رہنما۔

آج کشمیر کی بہاریں دنیا کو کھینچ رہی ہیں۔ گوناگوں نفعے اُس سے حاصل کئے جارہے ہیں۔ تاریخ دیکھو سارا کرشمہ فارسی ادب کے فیض کا ہے۔ چالیس برس کی مسلسل محنت میں سلطان زین العابدین نے کشمیر کو کشمیر بنایا۔ وہ فیض لایا تھا سمرقند و بخارا سے۔ اس کے بعد شاہانِ مغلیہ نے اُس کو سنوارا۔

اس کو یاد رکھنا کہ فارسی کی پشت و پناہ عربی تھی وہاں سے فیض لے کر فارسی دنیا کو فیض پہنچاتی رہی۔

آج انگلستان جو اہتمام مولانا ے رومیؒ کی مثنوی کی اشاعت کا کر رہا ہے وہ زندہ مثال فارسی ادب کے فیض کی ہے۔

فارسی ادب کی حیات بخشی کا نادر ثبوت وہ فضا ہے جو اس ادب کی فیض باری سے سرزمین ہند میں پیدا ہوئی۔ اس فضا کی روح پروری میں سارے مذہبی اور فرقہ داری اختلاف صلح و محبت سے بدل گئے۔ ہندو مسلمان، شیعہ سُنّی سب کے سب ایک رنگ میں رنگ گئے۔ رنگ پوڈر کا نہیں، محبّت اور یک جہتی کا۔ گجراتی، مرہٹی، ہندی بنگالی، گرکھی وغیرہ جس زبان کو لو گے ادب فارسی کی گرمی سے اُس کی نبض میں جنبش پاؤ گے۔ آج کل کی تصانیف نہیں اُس زمانے کی تصانیف پڑھو اس رنگ بلکہ بے رنگی کا واضح ثبوت پاؤ گے۔

عارف رومیؒ کی دو بیتیں بر سبیلِ تنزل بیاں سبق آموز ہوں گی ؎

چوں کہ بے رنگی اسیرِ رنگ شد   موسیٰ و فرعون اندر جنگ شد
چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی   موسیٰ و فرعون دارند آشتی

حال و ماضی پر نظر ڈال کر یہ شعر مکرر پڑھو۔ مرقعِ عبرت نگاہ کے سامنے کھچ جائے گا۔ افسوس کہ دیکھتے دیکھتے اس بہار پر خزاں آگئی۔ وہ فضا مٹ گئی۔ آج بھی خاقانیؔ و انوریؔ کا درس ہے مگر مندرس، مٹا ہوا برائے نام (بلکہ نام کو نہیں) کیوں؟ ادبی فضا نہیں۔ نتیجہ آنکھوں کے سامنے۔ جو لوگ زمانہ حال کو بنا گئے اُن کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، نہیں پاتیں۔ راجہ رام موہن رائے، پنڈت اجودھیا ناتھ، سر سید احمد خاں، محسن الملک اور وقار الملک آج کہاں ہیں اور اُن کے نہ ہونے کو ملک کس شدت سے محسوس کر رہا ہے؟

اس بے کیفی کی تاریکی میں اگر کسی طرف سے روشنی آجائے تو اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوتی ہے۔

یقین کیجیے کہ جب مولوی مسعود علی صاحب محویؔ میرے مکرم کا خط آیا کہ فارسی کلام اُن کا طبع ہوا ہے اور اُس کا نسخہ میرے پاس آئے گا تو مجھکو بھی اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوئی۔ حیرت اس پر کہ اب بھی زبان و قلم پر فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مسرت اس پر کہ ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں کیا عجب کہ کسی روز بھڑک اُٹھیں، دلوں کو گرما دیں، خرمنِ جنگ و جدل کو پھونک دیں۔

اس مجموعے کا نام "نذرِ عقیدت" ہے۔ اُس کی نسبت چند لفظ عرض کرتا ہوں۔

اس کا افسوس ہے کہ جہاں استادانِ سلف کی ادبی روش میں جناب محویؔ محو ہیں

وہاں اتلاف کلام میں بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنا پسند کیا ہے۔ عرفی نے ایک مجموعہ کھویا تھا تو یہی کھو بیٹھے۔ نقصان یہ ہوا کہ غزل سے کلام خالی ہے۔ صدہا برس سے فارسی کا سرمایۂ ناز غزل ہے جس کو متاخرین کی نکتہ سنجی اور سحر آفرینی نے سحر حلال کا مرتبہ بخشا ہے۔ تصوف کی آمیزش نے اُس کو مثنوی و قصیدے کی صف میں جا بٹھایا ہے۔ صرف قطعات و قصاید اس مجموعے میں ہیں۔ اُن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اہل زبان کے انداز بیان اور طرز سخن کا گہرا مطالعہ شاعر نے کیا ہے اور اس لئے فارسی ادب کا لطف اس کلام کو پڑھکر حاصل ہوتا ہے۔

ایک خوش قسمتی محوی کی قابل رشک ہے۔ اُن کو مواقع ایسے ملے کہ جنھوں نے اُن کے کلام میں زندگی کی قوت اور واقعیت کی روح پھونک دی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں عہد عثمانی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اُن کو نصیب ہوا اور متواتر ایسے موقعے آتے رہے کہ جو ادب فارسی کے فروغ کے لئے مناسب بلکہ ہنگامہ گرم کن تھے۔ محوی نے ہر موقع کے مناسب نظم ادیبانہ روش سے لکھی۔ خوبی یہ کہ مبالغہ کی پرواز سے عدم آباد نہیں بسایا، بلکہ اسی دنیا میں رہ کر وہ واقعات نظم کئے جن کی حقیقی شان اور رفعت مبالغہ کی محتاج نہ تھی اور اپنے زور طبیعت اور لطف بیان سے مبالغہ سے زیادہ دلکشی پیدا کی۔ روانی، تاثیر اور بلاغت کے نمونے دکھائے۔

آخر میں اُس یک رنگی کو پھر یاد کرو، جس کی داستان میں نے آغاز کلام میں چھیڑی تھی اور محوی کا یہ فقرہ پڑھو اور میرے بیان کی تصدیق کرو۔

"اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہٗ و سلطنتہٗ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح

اور عالی جناب سر مہاراجہ کرشن پرشاد یمین السلطنۃ دام اقبالہٗ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے
تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔"

آخر میں دعا ہے کہ محوی کی محنت بارآور رہے۔ ان کے کلام کی اہل ملک قدر کریں اور اس سے فیضِ یک جہتی حاصل[ع] جس کا ملک آج اسی طرح محتاج ہے جس طرح پیاسا پانی کا، بھوکا روٹی کا۔

ع یعنی اگلے ہمدموں کے فیض صحبت پر ۱۲ شروانی

حبیب گنج
۱۳ رجب ۱۳۴۱ھ

محمد حبیب الرحمن خاں
(صدر یار جنگ)

تبصرہ

از جناب علّامہ محمد عبداللہ العمادی مدظلّہ العالی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثبوتِ شعر میں ایک "نسیب" ہے جسے عجمیت کے شباب نے "تشبیب" بنا دیا۔
ایک "مخلص" ہے کہ عرصۂ ادب میں فن کی گریز پائی دیکھتے دیکھتے "گریز" کر گیا۔
ایک "مدح" ہے کہ اچھے کاموں کی ترغیب دلائے۔
آخر میں دعا ہے کہ صلاح و فلاح کی اللہ توفیق دے اور مکروہات سے بچائے۔
نسیب میں وہی عجمی پیشرو ہوئے جن کے قدم دائرۂ امکان سے آگے بڑھ چلے۔
کمال اسمٰعیل کو "خلاق معانی" کہتے ہیں، انھوں نے آفتاب سے تشبیب کی ہے کہ یہ ایک صابون کی ٹکیا اور گرم پانی کا طشت ہے کہ رات کی تاریکی اس سے دھل جائے ؎

قرصِ صابون ست پنداری و طشتِ آبِ گرم
تا بداں گردوں فرو شوید ز زلفِ شب خضاب

آنکھ کے ایک پردہ کو عنکبوتی کہتے ہیں اور اصطرلاب میں بھی عنکبوت ہے، اس پر مضمون کا جالا تنتے ہیں ؎

مانندِ عنکبوتِ سطرلاب رخنہ شد　　　اطباقِ عنکبوتیِ ایں دیدۂ خراب

لطفِ مخلص کی بندش سے توجیہ نے گویا خلاصی ہی حاصل کرلی۔

مدح میں فرض کرتے ہیں کہ ممدوح کا نیزہ اتنا بلند ہے کہ آسمان کو چھو لیتا ہے، بالفرض دشمن بھی اونچا ہو تو کیا ہوا؟ نیزہ ہی کی طرح لرزتا رہے گا ؎

گر چو رمحِ تو برد دشمنِ تو سر بفلک　　　استخوانہاش ہم از بیمِ تو لرزاں باشد

حیاتِ دوام کی دعا کرتے ہیں، اس لئے کہ شاعر کی رائے میں تمام دنیا ممدوح ہی کے اشاروں پر چل رہی ہے ؎

جاوید زی کہ وضعِ فلک دورِ روزگار　　　چوناں کہ رفت اشارتِ تو بہ جہاں نہاد

اب مولانا محوی کا علوِ مقام دیکھئے کہ سبقت کا جو مضمار ہے، مسابقت کا جو مقام ہے، سب میں سابق اُن کا کلام ہے۔

نسیب میں فرماتے ہیں: ؎

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنسہا ست　　　گرمیِ بازار لیکن سبب ایں یک تن ست

اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں　　　تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

خانخاناں کی زمینِ سخن کو شاداب کرتے ہیں: ؎

بدست یاد ندارم مرا چہ پیوند ست　　　جز ایں دو حرف کہ من بندہ او خداوند ست

زمنکراں نہ ہراسم کہ بر محبتِ من نگاہ شوق گواہ ست واشک سوگند ست

"آیات اولی الالباب" کی تفسیر کی ہے:

بہ پند غیر چہ حاجت کہ بہر اہلِ نظر جہاں و ہر چہ درو ہست پند در پند ست

عزتِ نفس کا منظر دیکھیے:

تشنۂ الطاف تو در کربلائے نام و ننگ داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

نظیریؔ کی طرح یہ شان بے نظیری دیکھنے کے قابل ہے:

منصور را شماتتِ صد دشمناں نداد دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

عزمِ بلند کا درس دیتے ہیں:

قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاہ وگرنہ لالہ و گل در چمن فراواں ست

مخلصؔ ملاحظہ ہو، جوشِ بہار کا نقشہ کھینچ کر دکھاتے ہیں:

زفرطِ نشو و نما شاخ و گل رسند بہم چو لالہ سر کشد از شاخ تاجدار کشد

زہے روانیِ طبعِ رواں کہ از یک حرف سخن ز صحنِ گلستاں بشہریار کشد

رات کو شعرا حاملہ کہتے آئے ہیں، اس میں مضمون آفرینی کی داد دی ہے:

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد عمرہا بگزشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت شمعِ بزمِ علم و فن نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست

مدح میں مولانا محویؔ کا اسلوب شاید سب سے الگ نظر آئے گا۔
ایک ایک شعر سے بادشاہ کے ساتھ اُن کی مخلصانہ عقیدت تراوش کرتی ہے،

عروج و زوال ملّت کی تاریخ اُن کے سامنے ہے، درد سے دل لبریز ہے، سینے سے نالے نکلتے ہیں اور ترکیب بند بن جاتے ہیں: ؎

چشمِ اسلام چرا از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بہ فغاں بکشاید
خویش را خوار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوِ آمتیاں بکشاید

اعلیٰ حضرت خلدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرماتے ہیں: ؎

گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت — سکّۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے — مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد

مولانا محوی کی یہ دعا قبول ہوئی، اعلیٰ حضرت کے فیض سے حیدرآباد حقیقت میں "مرکزِ دائرۂ دولت و دیں" بن رہا ہے۔

چاروں بند عجیب شان رکھتے ہیں۔

صاف نظر آتا ہے کہ اخلاص مندی اُکساتی ہے اور حرفِ عقیدت زباں پر لاتی ہے۔

استحکام سلطنت کے اصول بیان کرتے ہیں اور پھر جوش دلاتے ہیں: ؎

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن — دل در و بستن و اسباب مُہیّا کردن
شہ نما آمدہ نیست بعالم شاید — سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن

نااُمیدوں کو ڈھارس دیتے ہیں: ؎

شاہ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد — ملک در پنجۂ بیداد گراں نگزارد
کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد — عالمے را بدمِ تیغ و سناں نگزارد
آں کہ دارد دلِ بیدار و سرپنجۂ قوی — قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد

انداز دعا ملاحظہ ہو: ؎

بفرّ و شوکت شاہانہ تا ابد باشی ۔۔۔ ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چگامۂ دیگر ۔۔۔ ادائے تہنیتِ قبضۂ برار کنم

مقام دعا کی دل کشا ندرت دیکھئے: ؎

درحریم بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ ۔۔۔ خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است

مولانا محوی کا کلام نہایت ممتاز خصائص کا جامع ہے۔

عرب میں ابن زیدون کا قصیدہ اسلامی سلطنتوں کی تاریخ مانا گیا ہے، مولانا محوی کا کلام اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے عہد دولت کی ایک نہایت روشن تاریخ ہے جس کے آئینہ میں ان تمام ترقیوں کے جلوے نظرافروز ہوتے ہیں جن سے اس عہد سعادت میں ملک وملت کی شان بڑھی ہے، بیشتر قصائد تاریخی ہیں اور بعض مثلاً: ؎

گیتی مراد از نمِ ابرِ بہار یافت

ایک دل کش تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ہر محکمے کی تصویر دکھائی ہے اور منظر کی تصویر کھینچی ہے۔

جہاں جہاں موقع ملتا ہے ملک وملت کو بیدار کرتے ہیں۔ غلو و اغراق سے کلام پاک ہے۔

زبان عجمی اور خالص عجمی ہے مگر ذہنیت عربی ہے۔ جو کہتے ہیں اسی اسلوب میں کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت پادشاہ اسلام کے زیر سایہ لوائے اسلام سربلند ہو۔

انداز عبارت و پختگی و روانی و سلاست و شگفتگی میں سعدی سے اُن کو تشبیہ دی جا سکتی تھی، اگر سعدی یہ تعلیم نہ دیتے : ؎

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں　　بباید گفتن اینک ماہ و پرویں

اب دیکھیے، مولانا محوی کیا تعلیم دیتے ہیں : ؎

شاہ را روشنگرِ ہر انجمن باید شدن　　ہمچو جاں قوّت دہِ ہر عضوِ تن باید شدن

در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز　　بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن

در تنِ ہر مملکت روح و رواں علم ست و فن　　پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی　　خود ترا فرماں پزیرِ ذوالمنن باید شدن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحت سے تعبیر فرمایا ہے، یہی دینداری ہے جو ایک مخلص مسلمان کو عقیدت مندی کا حق ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان قصاید کے بعد اگر دیوان غزل کی نوبت آئی تو اہلِ فن دیکھ لیں گے کہ خسرو کے عہد سے جس پختگی کی بنیاد پڑی تھی مولانا محوی میں وہ کس طرح پختہ تر ہو کر نمایاں ہو رہی ہے۔

فلسفہ نے عالم کی ہر شے کو متحرک مانا ہے، فرماتے ہیں : ؎

تو ساکنی و ہمہ کائنات در سیر ست

نظیری کی غزل پر غزل کہی ہے جس میں ایک ایسا شعر کہہ گئے ہیں کہ ایک دیوان نثار ہے : ؎

جز بنا مت نشود مسجد و بت خانہ بنا　　اے کہ صد مسجد و بت خانہ برانداختۂ

میری رائے ناقص میں اگر فارسی کے نصاب درس میں یہ مجموعہ داخل کرلیا جائے تو ادب فارسی کی خوش بختی ہوگی۔ فارسی کے نقش و نگار اگرچہ مٹتے جاتے ہیں لیکن جو زبان ایسا نقشِ ادب رکھتی ہو، ایسے نگار خانۂ سخن پر حاوی ہو، اُس کو مٹایا نہیں جاسکتا ؎

ہزار نقش تماشا شکستہ اند ہنوز
ہزار نقش تماشاست چشمِ بینا را

(محوی)

لیلۃ المعراج
سنہ ۱۳۵۶ھ

عمادی

ھوالکافی

نخلِ تصویریم ما از برگ و بارِ ما مپرس — از خزانِ ما مگو و ز نو بہارِ ما مپرس
زادگانِ سروراں، آزادگانِ بے نشاں — از نژادِ ما مجو ہم از دیارِ ما مپرس

نژاد اور دیار سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اپنے اور ان نظموں کے متعلق جو ناظرینِ باتمکین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہیں، چند حرف عرض کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس زمانہ میں جس طرح "منشی" اور "مولوی" کے الفاظ اپنے اصلی مفہوم سے منزلوں دور جا پڑے ہیں، وہی حال لفظ "شاعر" کا ہے۔ ہم ہر ایسے شخص کو جو نثر کو کسی طرح بھی نظم کر لیتا ہے شاعر کہنے لگے ہیں، حالانکہ اس معزز لقب کے مستحق ہونے کے لئے ان بہت سے اوصاف اور کمالات کی ضرورت ہے جن کے نام سے بھی اکثر لوگ واقف نہیں۔ نظامی عروضی جو تنقید شعر کے ایک

مستند ماہرمانے جاتے ہیں اپنی کتاب "چہار مقالہ" میں لکھتے ہیں کہ شاعر کو سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر اور تمام علوم وفنون سے آگاہ ہوجانا لازم ہے کیونکہ شعر میں ہر علم وفن سے کام لینا پڑتا ہے اور شعر ہر علم وفن میں کام آتا ہے۔ شعر کا بڑا مقصد بقائے نام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی شخص نے جوانی میں مشہور شعرا اور مستند ادبا کے بیس ہزار شعر اور دس ہزار نثر کے برجستہ فقرے ازبر نہ کئے ہوں اور قدیم استادوں کے دیوان اس کی نظر سے نہ گزرے ہوں اور عروض و قافیہ اور نقد معانی والفاظ، سرقات وتراجم کی کتابیں کسی معتبر استاد سے نہ پڑھی ہوں۔ اس معیار کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو اس معزز طبقہ میں شمار کئے جانے کے قابل ہرگز نہیں پاتا۔ البتہ ٹوٹی پھوٹی نظم ضرور لکھ لیتا ہوں اور یہ شغل ایسے زمانہ سے جاری ہے جب کہ طالب علمی میں لکھنے پڑھنے اور ملازمت میں مختلف سررشتوں کے سرکاری کاموں سے سر اُٹھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر ان دونوں زمانوں کا سرمایہ، تمام تعلیمی اور کارگزاری کے اسناد، اہم کاغذات اور مختصر نقد وجنس کے ساتھ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں چوروں کے نذر ہوگیا، جس پر آج تک کف افسوس ملتا اور عرفی شیرازی کی ہمنوائی کرتا ہوں ؎

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام
عمرِ در باختہ را بار دگر یاختہ ام

عرفی پُرگو شاعر اور اس اتلاف کے وقت نوجوان تھا وہ اس حادثہ پر دل کو
اس طرح تسلی دے لیتا ہے ؎

گفتہ گو شد زکفم شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

مگر میرے لئے یہ تسلی بھی مفقود ہے۔ اب جذبات میں نہ پہلا سا جوش و خروش
باقی ہے اور نہ طبیعت میں پہلی سی جولانی اور روانی۔ نہ وہ احباب ہیں اور نہ وہ
صحبتیں جو شعر و سخن کی محرک ہوتی تھیں، ان حالات میں تلافی مافات کی کیا امید
کی جا سکتی ہے۔

قدیم کلام کا جو حصہ بعض بیاضوں اور پرچوں پر رہ گیا ہے وہ اس قدر
پراگندہ اور پریشان ہے کہ اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا خود شعر کہنے سے زیادہ
مشکل ہو گیا ہے۔ میرے ایک فرزند رشید احمد ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) نے
کچھ کلام بہ مشکل جمع کر لیا ہے جو شاید کسی وقت طبع کے قابل ہو جائے۔ البتہ جو غزلیں
۳۶-۱۹۳۷ء میں عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہ کے
مشاعروں کے لئے لکھی گئیں وہ ایک حد تک محفوظ ہیں۔ اگر یہ ادبی صحبت جاری
رہتی تو عجب نہیں کہ ضائع شدہ سرمایہ کی کچھ تلافی ہو جاتی، مگر اس صحبت میں بعض
حضرات کی سوء تدبیری سے کچھ ایسے لوگ شریک ہو گئے جو معاشرتی، اخلاقی اور
علمی تینوں حیثیتوں سے اس ادبی انجمن میں جگہ پانے کے مستحق نہ تھے۔ ان کے

ناشایستہ اعمال اور نازیبا حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحبت بہت جلد درہم و برہم ہوگئی اور اب کسی ایسی ادبی انجمن کے قیام کی بظاہر امید بھی نہیں کی جا سکتی۔

درچمن از کہ مراعات ادب داری چشم
بلبلاں مست صبا بے خود و گل بے پروا

کہتے ہیں کہ فارسی شاعری کی ابتدا قصیدہ سے ہوئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے بھی نظم نویسی اسی صنف شعر سے شروع کی۔ علی گڑھ کالج کی بی اے کلاس کے فارسی نصاب میں قاآنی کے چند قصاید داخل تھے۔ مولانا شبلی فارسی کے پروفیسر تھے۔ مولانا مرحوم ان نادر الوجود استادوں میں تھے جو نہ صرف کسی مضمون کو پڑھا اور سمجھا دینے بلکہ اس مضمون کے ساتھ شاگردوں میں حقیقی دلچسپی پیدا کر دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم و مغفور کی دلچسپ اور موثر صحبت اور شاگردی کا یہ اثر ہوا کہ ہم میں سے بعض طلبہ فارسی میں ٹوٹی پھوٹی نظم لکھنے لگے اور سب نے قاآنی ہی کا طرز اختیار کیا۔ کالج سے نکلنے کے بعد بعض ساتھی تو شعر گوئی کی علت سے بالکل پاک او رصاف ہو گئے اور بعض نے فارسی چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کی اور اچھے شعر کہنے لگے۔ مگر میں اس علت کے قدیم جراثیم اپنے دماغ سے نکالنے میں آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ جب موقع ملتا ہے اور آب و ہوا موافق پاتے ہیں یہ جراثیم ابھر آتے ہیں اور اسی زبان میں جس میں ساٹھ ستر برس پہلے ہمارے آبا و اجداد لکھتے پڑھتے تھے کچھ گرم و سرد

کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ البتہ تجربہ نے اتنا ضرور بتا دیا ہے کہ قاآنی نے جس قدیم سبک (روش) کو زندہ کرنا چاہا اور نہایت کامیابی کے ساتھ زندہ کر دکھایا، اس کا تمام تر دار و مدار صنعت ترصیع پر ہے اور یہ صنعت اگرچہ جڑاؤ زیور کی طرح نظر فریب اور خوش نما ضرور ہے مگر اندر سے پولی اور کھوکھلی ہے۔ مبصران فن اس نکتہ سے واقف ہیں کہ جب اس صنعت کے التزام کے ساتھ شعر کہا جاتا ہے تو بیت کا پہلا مصرعہ تو شاعر کے قابو کا ہوتا ہے، اس میں جو چاہے کہہ لے مگر دوسرا مصرعہ اس کے قابو کا نہیں رہتا، اُسے عام طور سے مصرعہ اوّل کے قالب میں ڈھالنا اور اسی کی صدائے بازگشت بنانا پڑتا ہے۔ میں اپنے ہی ایک قصیدہ کے جو ٹھیک پینتالیس سال قبل کا کہا ہوا ہے، چند اشعار بطور مثال پیش کرتا ہوں، جس سے میرا بیان غالباً زیادہ تر واضح ہو جائے گا ؂

چو دی روز خورشید سر زد ز خاور — در آمد غزال غزل خوانم از در
رہا کردہ بر تن دو گیسوئے مشکیں — فروہشتہ بر رخ دو زلفِ معنبر
دو تابندہ عارض دو مہرِ درخشاں — دو پیچندہ کاکل دو پیچیدہ اژدر
بزیرِ دو اژدر دو مہرِ درخشاں — بروئے دو مہر درخشاں دو اژدر
دو چشم سیاہش دو جادوے فتاں — دو رنگین لبانش دو لعلِ فسوں گر
بجاے دہن تعبیہ کردہ رماں — بجائے سخن عاریت کردہ شکر

ہر بیت کا دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو، صاف نظر آتا ہے کہ اُسے پہلے مصرعہ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے ادائے مقصد کے میدان کا تنگ ہو جانا ایک لازمی اور لابدی امر ہے۔ قاآنی سا طباع، قادرالکلام اور ہمہ داں شخص اپنی طباعی، قادرالکلامی اور ہمہ دانی کے زور سے اس صنعت کے تمام مراحل خیر و خوبی کے ساتھ طے کر جاتا ہے مگر ایک ہندی نژاد مبتدی کے لئے اس راستہ پر چل چلنا سخت دشوار تھا۔ ہندی نژاد اور مبتدی تو ایک طرف خود ایران کے مستعد اہل زبان نے شعرائے طبقۂ متوسطین یعنی نظیریؔ، ثنائیؔ صائبؔ، عرفیؔ وغیرہ کا جادہ چھوڑ کر قاآنی کی روش اختیار کی اور شاہراہ سخن سے ایسے بھٹکے کہ جب تک پھر کوئی قاآنی سی زبردست ہستی ان کی رہنمائی نہ کرے ان کا صحیح جادہ پہ آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو طرز پہلے اختیار کیا گیا تھا اسے چھوڑ کر اب جو کچھ اور جب کبھی کہتا ہوں اس میں شعرائے طبقۂ متوسطین کی تتبع کی کوشش کرتا ہوں۔ اس فیضان اور تتبع کے سوائے فن شعر میں نہ کسی کا تلمذ رہا اور نہ اب ہے۔ البتہ صحبت ایسے بزرگوں سے رہی جو اس فن میں ممتاز اور سربرآوردہ سمجھے جاتے تھے۔ آنکھ کھول کر اپنے خاندانی بزرگوں مثلاً مولانا حاجی حکیم معصوم علی مسیحؔ، منشی حافظ احسان علی فصیحؔ، مولوی حکیم سرفراز علی زخمیؔ کو دیکھا جو اپنے زمانہ کے مشہور سخن گو اور سخن شناس تھے اپنے آبا اور اجداد مثلاً مولوی احمد علی احمدؔ، مولانا مخدوم بخش بخششؔ اور

مولانا مہدی علی بسمل کا کلام سنا اور پڑھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں مولانا محمد اسحٰق اسرائیلی، علامہ شبلی، مولانا حالی، میرزا محمد تقی کمال الدین سنجر اصفہانی کی صحبتوں سے فیض پہنچا۔ حیدرآباد میں سنادالملک[1] مولوی سید علی شوستری طوبیٰ، مولوی فضل رب عرشی[2] قاآنی ہند، گرامی، ترکی، مولوی عبدالجبار خاں آصفی

---

[1] سنادالملک اعلی اللہ مقامہ میرے حال پر بطور خاص عنایت فرماتے تھے۔ ان کا جو عنایت نامہ آتا تھا اس میں کوئی قطعہ یا رباعی ضرور تحریر فرماتے تھے جو بطور مرحوم کی یادگار کے درج ذیل ہیں:

مسعود علی حبیب مسعود من ست — ہم خود قدیمی ست و معود ودمن ست
در ہر جائے کہ او ملاقات کند — باللہ کہ آں مقام محمود من ست

دیگر

مسعود ازازل بہ علی شد سعادتت — پیداست ہمچو شمس نجابت نجادتت
اے آفریں بفطرۃ وصد مرحبا بخلق — کز خلق احمدی ست ہمانا رشادتت

دیگر

مسعود علی کہ سعد شش اقبال بود — انشاءاللہ فزونش اقبال بود
ہر کس کہ بد بش گوید و بد خواہ دے است — در زیر سم سمند پامال بود

[2] مولوی فضل رب عرشی مرحوم قصبہ تاج پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ غیر معمولی طبیعت پائی تھی۔ قاآنی کے رنگ میں لکھتے تھے اور اس قابلیت اور قوت کے ساتھ لکھتے تھے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سخن شناس بھی ان کے اور قاآنی کے کلام میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کل کلام ان کے شاگرد مظفر جنگ مرحوم نے غالباً طبع کرانے کے خیال سے منگا لیا تھا مگر خود ان کا انتقال ہوگیا اور اس طور سے ان کا تمام عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔ اگر وہ مل جائے تو اس کے طبع اور اشاعت کا انتظام ہو جانا باآسانی ممکن ہے۔ مرحوم نے اکثر نظمیں میرے لئے لکھی تھیں مگر وہ میرے پاس سے بھی ضائع ہوگئیں۔

مولانا عبدالغنی خاں غنی مولوی محمد جعفر زہری، حیدر یار جنگ طباطبائی مرحومین اور علامہ عمادی اور نواب ضیا یار جنگ بہادر ضیا مدظلہما کے ساتھ شعر و سخن کے تذکرے اور پرلطف صحبتیں رہیں۔ اسی میں اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی نواب میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہ وسلطنتہ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح اور عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت دام اقبالہ سے کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔ باوجود اس کم بضاعتی اور کم استعدادی کے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کی مسند نشینی کے وقت سے اس وقت تک ذات ہمایونی کی مداحی اور دعاگوئی کا شرف حاصل کرتا رہا ہوں اور اس لحاظ سے شاید میرا یہ دعویٰ غلط نہ ہو کہ میں سرکار کا قدیم ترین مداح اور دعاگو ہوں۔ میری مداحی ذات شاہانہ کے حقیقی اوصاف کے اظہار کی غیر کافی کوشش اور میری دعاگوئی حضرت اقدس کے بے شمار الطاف کی ناتمام شکرگزاری ہے۔ میں نے جو مدح کی ہے اسے حتی الامکان مبالغہ کی رنگ آمیزی اور غلو کی نقش پردازی سے دور رکھا ہے۔ میں نے قدیم شاعروں کی طرح ممدوح کے تیغ و سناں، پیل و اسپ، کاخ و ایوان، باغ و بستان کی تعریف کر کے کلام کو زینت دینے کی کوشش نہیں کی اور نہ مجھے اس کی ضرورت تھی، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ممدوح کی ذات بابرکات میں اتنے صفات جمع کر دیئے ہیں کہ

انہیں کے اظہار سے کسی مداح کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ اسے فرضی خوبیوں کی تلاش یا حقیقی اوصاف میں مبالغہ کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے میں نے ایک قصیدہ میں عرض کیا ہے ؎

منکر، گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ در بحرِ مدح پائے شناور گرفتہ است
ہر انچہ گفت مخبری آزادہ دیدہ گفت برناطقہ زباصرہ محضر گرفتہ است

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ذات ہمایوں کی دادگستری، علم دوستی، معارف پروری، غریب نوازی، سیاست دانی، فیض رسانی، سادہ زندگی، اصلاح معاشرت، تزئین مملکت، سخن گوئی، سخن فہمی کی حقیقی تعریف و توصیف ہے جس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اعلیٰ حضرت کا کلام بلاغت نظام وقتاً فوقتاً مقامی اور بیرونی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے، جس سے ہر سخن فہم اور سخن سنج اس کی لطافت، فصاحت اور بلاغت کا خود اندازہ کرسکتا ہے۔ مگر سخن فہمی اور سخن سنجی کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں حضرت کی پیشگاہ میں کسی نظم کے پڑھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے جو لوگ اس عزت سے شرف یاب ہوئے ہیں وہ اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظم میں کوئی اچھا شعر ایسا نہیں ہوتا جس پر حضرت کی دقیقہ رس نظر نہ پڑے اور اس کی معقول داد نہ ملے۔ جن اشعار پر اعلیٰ حضرت شعرا کی دل افزائی اور تحسین فرماتے ہیں وہ فی الحقیقت تمام نظم کی جان ہوتے ہیں۔

قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہو کہ شعر گوئی مشکل ہو یا شعر فہمی، فانی کشمیری سے (جن کو غنی کی استادی کا ادعا اور غنی کو اس سے انکار تھا) کسی شخص نے یہی سوال کیا تھا، اس کے جواب میں فانی نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

بس کہ نافہمیدہ نتواں یک سخن فہمیدہ گفت
شعر گفتن پیش شاعر بہ زفہمیدن بود

اسی مضمون کو ملک الشعرا کلیم نے بہتر طریقہ سے ادا کیا ہو وہ کہتے ہیں ؎

کس بجز شاعر تلاش معنی فہمد کلیم
شعر فہماں جملہ صیاد اند صید بستہ را

ذات ہمایوں میں چونکہ سخن گوئی اور سخن فہمی کے دونوں اوصاف جمع ہیں اس لئے ہر سخن گو اپنی کاوش اور محنت کی پوری داد پاتا ہو اور غیر پیشہ ور شاعر کے لئے سب سے بڑا یہی صلہ ہو سکتا ہو۔

اس مختصر معروضہ کے بعد مجھے صرف یہ بتانا رہ جاتا ہو کہ فارسی ادبیات کے ان بیش بہا جواہر کی موجودگی میں جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی ادبی خزانہ نہیں کر سکتا اس محقر اور مختصر بضاعت کو اس کساد بازاری کے زمانہ میں معرض نظر میں لانے کی ضرورت کیوں اور کس طرح واقع ہوئی۔ حقیقت حال یہ ہو کہ اعلیٰ حضرت کے بست و پنج سالہ جشن جلوس کی خوشی سے رعایا کا ہر طبقہ اور ہر طبقہ کا ہر فرد بشر متاثر اور مسرور ہو اور چاہتا ہو کہ اس موقع پر اپنی عزیز سے عزیز چیز اپنے

رعایا پرور بادشاہ کے نذر کرنے کی عزت حاصل کرے۔ میرے پاس بجز دعا اور ثنا کے اور کیا تھا اس لئے میں نے اسی حقیر بضاعت کو بامید شرف قبول پیش کرنے کا تصفیہ کیا۔ علاوہ اس کے پیش گاہ حضرت خداوند نعمت سے دو مرتبہ بہ نظر دل افزائی ارشاد ہو چکا ہے کہ تمہارا جو کچھ کلام دست برد زمانہ سے باقی رہ گیا ہے اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام اپنی زندگی میں کر لینا چاہیے ورنہ شاعر کے مرنے کے بعد اس کا کون خیال کرتا ہے۔

خداوند عزوجل اپنے فضل و کرم سے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی عمر و صحت اور اقبال و دولت میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے جن کے جشن جوبلی اور اس کریمانہ اور حکیمانہ ارشاد کی بدولت مجھے ان چند مدحیہ قصائد کی طباعت اور اشاعت کی توفیق ہوئی ورگرنہ میرا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے ؎

عمل بسیار علم بہ مکن کہ مردم را
بہ ہیچ علم ترا ازراہ بے نشانی نیست

خاکسار
مسعود علی محوی، بی اے (علیگ)
سابق سشن جج
حیدرآباد (دکن) ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظم نشان (۱)

کہ حسب فرمائش عالی جناب شہاب جنگ مختار الدولہ افتخار الملک مرحوم سابق معین المہام کوتوالی و تعمیرات عامہ۔ بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی۔ بہ قیامگاہ عالی جناب موصوف بمقام ناڑین مرتب شد ۱۳۳۱ف

بند اوّل

روزے ایں شاہ نشیں[1] شاہ نشیں خواہد شد ۔۔۔ باتو اے خواجہ بگفتم[3] کہ چنیں خواہد شد
مرحبا اہلاً و سہلاً شہِ خورشید کلاہ ۔۔۔ کز قدوم تو زمیں چرخ بریں خواہد شد

[1] یہ نظم جس موقع کے لئے لکھی گئی تھی بعض وجوہ سے اُس موقع پر نہ پڑھی جا سکی۔ ۲۹ رجب سنہ ۱۳۳۶ھ کو ایک جلسہ "طبقہ خدام علم" کی طرف سے سالگرہ مبارک کی تقریب میں بصدارت عالی جناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت دام اقبالہٗ فتح میدان کی عمارت میں منعقد ہوا تھا، اس میں یہ نظم پہلی مرتبہ پڑھی گئی۔ عالی جناب سر مہاراجہ بہادر اور جناب عماد الملک مرحوم و مغفور نے جن الفاظ میں میری دل افزائی فرمائی وہ اس قدر تعجب انگیز نہ تھی جتنی سر افسر الملک مرحوم کی قدردانی۔ جلسہ برخاست ہونے کے سر افسر الملک میرے پاس تشریف لائے اور مصافحہ کرکے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا تھا کہ اب بھی ہم لوگوں میں فارسی میں ایسے شعر کہنے والے لوگ موجود ہیں۔" دوسرے دن مجھے چائے پر بلایا اور پھر یہ نظم سنی اور دیر تک مولانا شبلی مرحوم وغیرہ کا ذکر کرتے رہے

[2] ایک بلند مقام سرکار کی رونق افروزی کے لیے تیار ہوا تھا، اسی کو "شاہ نشیں" سے تعبیر کیا ہے۔

[3] شہاب جنگ مرحوم کی طرف سے دعوت کا معروضہ پیش ہوا تھا بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سرکار اسے منظور فرما کر تشریف فرما ہوں گے بعض لوگ اس کے خلاف تھے۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے کہا کہ سرکار ضرور تشریف فرما ہوں گے۔ اسی طرف اشارہ ہے

کاخ و کاشانہ ز فرتابِ نظر خواہد تافت	بام و در ضو فگن از نورِ جبیں خواہد شد
از جمالت چو مکاں کسبِ ضیا خواہد کرد	از جلالت شرف اندوز مکیں خواہد شد
تابشِ مہر بیک ذرہ نخواہد کاہید	ذرہ رخشندہ تر از ماہ مبیں خواہد شد
گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت	سکۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
چرخ بے دام و درم بندہ صفت خواہد گشت	ملک بے چون و چرا ملکِ یمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے	مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد
پردہ از عظمتِ غرناطہ بخواہد افتاد	قصۂ شوکتِ بغداد یقیں خواہد شد
صولتِ غزنی و دہلی و بخارا و دمشق	ہست افسانہ کہ با عقل قریں خواہد شد

کار سخت ست سرانجام کما ہی نشود
تا بر و صرف ہمہ ہمتِ شاہی نشود

بند دوم

بایدایں کار بصد شوق و تولّا کردن	دل درا وبستن و اسباب مہیا کردن
از پے عدل کمر بستن و محکم بستن	وعدۂ رفعِ ستم کردن و ایفا کردن
چشم بر قول کہ "الناس علی دینِ ملوک"	تا تواں مشربِ خود پاک و مصفا کردن
شہ نما آئینۂ نیست بعالم ، باید	سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن
قوم را آب ز سرچشمۂ حیواں دادن	ملک را زندہ باعجازِ مسیحا کردن
رایتِ فضلِ نگوں گشتہ ، ببالا بردن	دفترِ علمِ پراگندہ بیک جا کردن

بہرِ ترویجِ فنون و پئے تکوینِ ہنر — مقدمِ اہلِ کمالات تمنّا کردن
بذلِ وامساک زکہسار بباید آموخت — قطرہ قطرہ بہم آوردن و دریا کردن
زیستن طفل صفت پاک ز آلایشِ دہر — رائے چوں پیر زدن کار چو برنا کردن
جہدہا کردن و لیکن پئے مشکوریِ جہد — تکیہ بر لطفِ خداوندِ تعالیٰ کردن

آنکہ بے ہمتِ او جہد بجائے نرسد
حلِّ مشکل نہ شود برگ و نوائے نرسد

بندِ سوم

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چارسو بنگرد و لب بفغاں بکشاید
خویش را زار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوئے اُمتیاں بکشاید
کیست آں مرد کہ از ملّتِ بیضائے رسول — دستِ شربندد و آغوشِ اماں بکشاید
کیست آں رستمِ دوراں کہ پئے شاہِ عرب — ہفتخوانِ ستمِ دورِ زماں بکشاید
کیست آں مہدیِ موعود کہ در آخرِ عہد — پرچمِ دیں ز کراں تا بکراں بکشاید
تیغ با کلک نگیں را بہ علم باید داشت — تا بدیں فضل و ہنر با زجہاں بکشاید
تا زمانہ دگر از طعنہ زباں بربندد — تا دگر چرخ ز آزار میاں بکشاید
تا رخِ غوطہ[1] دگر بارہ بتابد چو چمن — تا سرِ دجلہ[2] دگر آبِ رواں بکشاید

---

[1] غوطہ سوادِ دمشق کی ایک مشہور نزہت گاہ تھی جو قدیم زمانہ میں دنیائے اسلام کے عجائبات میں شمار ہوتی تھی
[2] دجلہ وہ دریا ہی جس نے صدیوں عباسیانِ بغداد کی شان و شوکت کا تماشا دیکھا، اور خود ان تماشوں میں شریک رہا ہی۔ شعر کا مقصد یہ ہی کہ اسلام کی قدیم عظمت اور بزرگی پھر عود کر آئے۔

راست گویم که دعا از دل خوں گشتۂ قوم ــــ ہیچو تیرے ست که از سخت کماں بکشاید

مفتی شہر ندانم که چنیں بے خبر است

با تو ای شاہ که گفت؟ دعا بی اثر است

بند چہارم

اجرای کار ز دارائے جہاں خواہی دید ــــ خلق آسودہ در آغوشِ اماں خواہی دید

دستِ "دستور" ہمہ گیر و قوی خواہد شد ــــ بازوئے "قاعدہ" با تاب و تواں خواہی دید

فتنہ را بستۂ زنجیرِ بلا خواہی یافت ــــ ظلم را کشتۂ شمشیرِ زباں خواہی دید

داد را پایہ و مقدار اگر خواہی داد ــــ ملک را پاک ز بیدادگراں خواہی دید

از مسیحا نفسے گر تو دمے خواہی زد ــــ قالبِ قوم نہ بے روحِ رواں خواہی دید

ہرچہ در فہم نہ آید بجہاں خواہد شد ــــ آنچہ در وہم نگنجد بہ عیاں خواہی دید

از دعائے کہ بہ ہر صبح ہزاراں گویند ــــ اے گلِ تازہ نہ آسیبِ خزاں خواہی دید

ابتدائے شرف و عزت و شان ست ہنوز ــــ شادماں باش بسے عزت و شاں خواہی دید

محویا شاہ خریدارِ ہنر گشت و کنوں ــــ نرخِ ایں جنس بہ بازارگراں خواہی دید

بہ مثل گر تو کلیمی[۱] بہ سخن آرائی ــــ شاہ را ہم بعطا شاہجہاں خواہی دید

شاہ چوں صیرفیاں عیب و ہنر می سنجد

باش یک چند ترا نیز بزر می سنجد

---

[۱] کلیم ہمدانی عہدِ شاہجہانی کا ملک الشعرا تھا۔ ایک سال نوروز اور عید شوال ایک ہی دن واقع ہوئی، اسی دن بادشاہ نے کشمیر کے سفر سے واپس آ کر تختِ طاؤسی پر جلوس فرمایا تھا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵)

نظم نشان (۳)

کہ بایمائے سربلند جنگ مرحوم و مغفور سابق میر مجلس عدالت عالیہ سرکار عالی نوشتہ شد

یہ نظم سربلند جنگ مرحوم و مغفور کے بڑے اصرار سے لکھی گئی تھی۔ اس زمانہ میں سربلند جنگ مرحوم عدالت عالیہ سرکار عالی کے میر مجلس اور میں معتمد مجلس تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب ہائی کورٹ کی جدید عمارت جس کے متعلق مجلس موصوف کے تمام عہدہ دار غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے بن کر تیار ہو تو اس کے افتتاحی جلسہ میں یہ نظم پڑھی جائے، مگر افسوس ہے کہ ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ جس وقت اس عمارت کے افتتاحی جلسہ کی نوبت آئی، نہ وہ میر مجلس تھے اور نہ میں معتمد مجلس؛ ایک الہ آباد میں مجبور اور دوسرا لکھنؤ میں مہجور تھا۔ افتتاحی جلسہ کی خبر سن کر میں نے اس کی ایک نقل حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے ملاحظہ میں گزرانے کے لئے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دی تھی مگر جہاں تک معلوم ہوا وہ پیش نہ کر سکے۔ جب مجھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس موقع پر کلیم نے ایک قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خجستہ مقدم نوروز و غرۂ شوال

فشاندہ اند چو گلہائے عیش بر سر سال

شاہجہاں نے قصیدہ سن کر حکم دیا کہ کلیم چاندی میں تول دیا جائے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیم بہت دُبلا پتلا آدمی تھا۔ ساڑھے پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہ لے سکا۔ دینے کا طریقہ تھا جس سے یہ فقرہ آج تک مشہور چلا آتا ہے "ورنہ دَور کیوں جائیے" خاندانِ آصفیہ کے فرماں رواؤں نے اس سے بہت زیادہ مقدار میں شعرا کو انعام دیئے ہیں۔ حضرت غفران مکان (میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور) نے داغ مرحوم کو یکمشت اسّی ہزار روپے عنایت فرمائے۔

یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میں نے ڈاک کے ذریعہ سے براہ راست حضرت اقدس و اعلیٰ کی پیشگاہ میں ایک نقل گزرانی ۔ یہ نظم بھی میرے دوسرے کلام کے ساتھ لکھنؤ میں ضائع ہو گئی تھی ایک دوست کی بیاض سے نقل کی جاتی ہے۔

بند اوّل

پیک می آید و ہر لحظہ خبر می آید | شاہ می آید و با شوکت و فر می آید

چشم خلق ست ہمہ شوق کہ در معرض دید | مردم دیدۂ ارباب نظر می آید

میر عثمان علی خاں شہ صدیق نشاں | با علوم علی و عدل عمر می آید

میر رسد گرم عناں بہر دل افزائی عدل | وز پے رفع ستم بستہ کمر می آید

می گشاید در ایوان عدالت کہ ازاں | خانۂ جور و جفا زیر و زبر می آید

می دہد آب بگلزار عدالت کہ ازاں | شاخ امید خلائق بہ ثمر می آید

فضل را مژدہ کہ امروز بہ جمع فضلا | جامع فضل و کمالات و ہنر می آید

می سپارد رہ دلجوئی مخلوق خدا | بر نشان قدم جدّ و پدر می آید

ہر خیالے[1] کہ پدر بست پسر کرد تمام | از پدر آنچہ نیامد ز پسر می آید

از ازل رسم ہمین ست دریں دیر دو در | مہ چو در پردہ رود مہر بدر می آید

قسمت ملک ازیں بہ چہ تواند بودن | ہر یکے کار کیا[2] بہ ز دگر می آید

[1] ہائی کورٹ کی تعمیر اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفراں مکاں کے عہد میں شروع ہو چکی تھی مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضرت موصوف انتقال فرما گئے۔ [2] بادشاہ، فرماں روا۔

عدل و انصاف بہ ہر دور فزوں می گردد
جور و بیداد بہ ہر روز زبوں می گردد

بند دوم

عیش آساں نشود، امن ہویدا نشود ــــ تا پئے دادگری ساز مہیا نشود
از ضعیفاں نشود دستِ تطاول کوتاہ ــــ تا دل و بازوی انصاف توانا نشود
پادشاہے نکند شیوۂ انصاف پسند ــــ تا بر فضلِ خداوند تعالیٰ نشود
تا بہ ارکانِ عدالت ندہند آزادی[1] ــــ کار ایں محکمہ شایستہ و زیبا نشود
رائے انصاف چو آزاد نباشد عجب است ــــ گر ہمہ ملک پُر از شورش و غوغا نشود
قاضیاں گر بہ ہراسند زبہمان و فلاں ــــ ہرگز انجام زشاں کار قضایا نشود
مطمئن گر نہ بود خاطرِ قاضی از فکر ــــ مطمئن بر مجلسِ ملک و رعایا نشود
نشود فصل قضایا چو بآئین درست ــــ صورتِ امن و اماں قائم و پیدا نشود
نائب پادشہ و خادم شرع اند قضاۃ ــــ خدمت ملک ازیں برتر و بالا نشود
کاتب و حاجب و دربان ہمہ خدام شہ اند ــــ ہر در[2] رخشندہ مگر لولوئے لالا نشود

[1] یہ وہ زمانہ تھا کہ مجلس عدالت عالیہ کو کوتوالی اور خصوصاً کوتوالی بلدہ کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدارات کی وجہ سے مقدمات کے بے لاگ تصفیہ میں بے حد دقتیں پیش آتی تھیں اور لوگوں پر بے حد سختیاں گزرتی تھیں۔ الحمدللہ اس زمانہ میں ان نقائص کی بڑی حد تک اصلاح ہو گئی ہے۔
[2] میں نے اپنی نظموں میں بعض مغربی خیالات اور مثلوں کی ترجمانی کی کوشش کی ہے جن میں ایک یہ ہے انگریزی مثل ہے All is not gold that glitters

کار ہر عضو بدیوانِ بدن مخصوص ست | نطق شنوا نشود، سامعہ گویا نشود

اندریں نکتہ کہ نغز ست نظر باید کرد

قدر ہر بندہ بمقدار ہنر باید کرد

بند سوم

شاہ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد | ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد
کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد | عالمے را بہ دمِ تیغ و سناں نگزارد
بر ضعیفانِ ستم کش نہ گمارد ظالم | گرگ را بر سرِ ایں گلہ شباں نگزارد
دیدہ از غصہ و غم شور بعالم برخاست | خواست از ظلم و ستم نام و نشاں نگزارد
"داد"[1] آوارہ و سرگشتہ بگردید بسے | عزم فرمود کہ زیں پیش چناں نگزارد
"داد" را داد چنیں قصرِ معلی کہ بہ لطف | نام در دہر ز فردوس و جناں نگزارد
گفتم اے "داد محل"[2] خیز و نظر کن جہنے | کہ بہارش چمن آرا بخزاں نگزارد

[1] مجلس عدالت عالیہ کے لئے ایک زمانہ دراز سے کوئی موزوں اور مناسب مکان موجود نہ تھا۔ میری معتمدی کے زمانہ میں مجلس قدیم عمارت سے جو شاہی عاشور خانہ کے محاذی واقع تھی سر آسمان جاہ مرحوم کے خانہ باغ، اور خانہ باغ سے باغ عامہ اور باغ عامہ سے نواب سالار جنگ بہادر کی بارہ دری میں منتقل ہوئی، اسی بنا پر "داد" کو آوارہ اور سرگشتہ کہا گیا ہے۔ [2] جہاں اب ہائی کورٹ تعمیر ہوئی ہے وہاں قطب شاہیوں کے زمانہ میں ایک عالی شان عمارت تھی جو "داد محل" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ خاندان قطب شاہی کے فرماں روا اسی عمارت میں مقررہ ایام اور اوقات پر اجلاس کرتے اور رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ ہائی کورٹ کی تعمیر کے وقت اس محل کی بنیادوں کے بڑے بڑے پتھر برآمد ہوئے تھے جو اپنے بانیوں کی عظمت اور دنیا کی بے ثباتی کی داستان سناتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محل بھی دوسری شاہی عمارتوں کے ساتھ موسیٰ ندی کی ایک طغیانی میں تباہ ہوا تھا۔

گفت خامش کہ دریں دائرہ نقص و زوال — ہیچ جز نام نکو در زماں نگزارد
می برد دُردکشی صاف کشی می آرد — خالی ایں میکدہ را پیرِ مغاں نگزارد
آنکہ دارد دلِ بیدار و سرِ پنجہ قوی — قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد
بحث در تکرار بہ تاثیرِ دعا بے سود است — رسم خود محویؔ آشفتہ بیاں نگزارد

کار ایں شاہِ فلک مرتبہ با آئیں باد
"ایں دعا از من و از روح امیں آمیں باد"

نظم نشان (۳)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک بر مصرعِ طرح فرمودۂ سرکار دام اقبالہ ۱۳۴۴ف

ع "زحالِ دردِ شنو قصۂ زلیخا را"

بیا بہ بزم و بدہ جلوہ روئے زیبا را — ببر ز خاطرِ ما حسرتِ تماشا را
بیا و روئے تو تسکینِ دل تواں کردن — وگرنہ چارہ کنم چشمِ ناشکیبا را
ز بختِ خویش چہ گویم کہ سجدۂ درِ تو — بسانِ حرفِ غلط محو کرد سیما را
بہ تنگیِ دل و وسعِ خیال حیرانم — بقطرہ چوں بہم آوردہ اند دریا را
ہزار رنگ تماشا شکستہ اند ہنوز — ہزار رنگ تماشاست چشمِ بینا را
امیدِ یاس نہ صافیِ دلاں چہ می پرسی — گذشتہ اند ز دل نقش ہر تمنا را
مکن ہوس کہ رسی تا حریمِ کعبۂ دل — نکردہ طے سفرِ جاں گداز صحرا را

بکوئے دوست بہ ہر خطوہ ہست جائے نماز　　　بخاکِ کعبہ چہ می گستری مصلّا را

تفاوتے نکند شاہدِ عشق در زن و مرد　　　بیک کمند کشد وامق و زلیخا را

دریں زمانہ اگر کس رہِ وفا پرسد　　　نشاں دہند باو آشیانِ عنقا را

سبک گزشت ہر آں مردِ عاقبت اندیش　　　کہ ہر چہ یافت ز دنیا بداد دنیا را

نشستنِ منِ بیچارہ از قناعت نیست　　　زبس دویدہ ام و رنجہ کردہ ام پا را

نوائے تازہ سرایم بایں دا گشتم
زچار سوئے چمن بلبلانِ شیدا را

بیا ز حجلہ بروں جانِ من تماشا را (مطلع)　　　کہ رشکِ باغِ جناں کردہ اند دنیا را

کشید ابر بسر سائبانِ استبرق　　　فگند سبزہ بہر سو بساطِ دیبا را

زفرطِ نشو و نما نامیہ برابر کرد　　　بلند و پست و نشیب و فرازِ صحرا را

برائے بادہ کشی رعد می زند ہر دم　　　صلائے عام حریفانِ بادہ پیما را

زجاں فزائیِ بادِ بہار بارِ دگر　　　بچشم دید جہاں معجزاتِ عیسیٰ را

نسیمِ صبح[1] چو بر سطحِ آب نرم وزید　　　نگار خانۂ چیں کرد روئے دریا را

گرفتہ اند ز شاخِ درخت و سبزۂ تر　　　مذکّرانِ چمن منبر و مصلّیٰ را

بقصد آنکہ چو محوی کنند وردِ زباں　　　دعائے دولت و اقبالِ شاہ والا را

جہانِ عدل کہ در روزگارِ سلطنتش　　　زیاد کرد فراموش عدلِ کسریٰ را

[1] اس دل فریب منظر کا صحیح تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے سکون کی حالت میں سمندر کو دیکھا ہے۔

مدبرے کہ بہ تدبیر عقل و حسن عمل	فزود فرّہ و فرہنگ دین و دنیا را
شہے کہ کرد مسخر بزور تیغ قلم	زمینِ شعر و سخن، ملکِ لفظ و معنی را
سخنورے کہ بہنگام گلفشانی او	ببست بلبلِ گویا زبانِ دعویٰ را
عطائے بے حد او بہر نشر علم و ہنر	ز یاد برد عطاہائے معن[1] و یحییٰ[2] را
سحابِ دررسِ فیض او نہ تشنہ گذاشت	زمینِ یثرب و خاکِ دیارِ بطحیٰ را
سقائے رحمت عامش ہمی کند سیراب	مجاورانِ حسین و علی اعلیٰ را
بحق پرستی و دیں پروری ز دست نداد	وقارِ پیشروان و شعارِ آبا را
ز صلح کل کردہ سروران آزادست	نمود دور پراگندگی اجزا را

لہ ابوالولید معن بن زایدہ عرب کے مشہور سرداروں میں تھا۔ اس کی جواں مردی، فیاضی اور معارف پروری کے سیکڑوں قصے مشہور ہیں۔ اس کے مرنے پر جتنے مرثیے لکھے گئے شاید ہی کسی امیر کے مرنے پر لکھے گئے ہوں۔ مروان بن ابی حفصہ اس کے خاص مداح کے مرثیے کے اس شعر کو تاریخی شہرت نصیب ہوئی ہے

وقلنا این نرحل بعد معن ❊ وقد ذہب النوال فلا نوالا

اور ہم (شعراء) نے کہا کہ معن کے بعد کہاں جائیں، حقیقت یہ ہے کہ داد و دہش کا خاتمہ ہو گیا اب داد و دہش کہیں یہ درد انگیز اور موثر شعر اس قدر مشہور ہوا کہ چھوٹے بڑے، امیر غریب سب کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔ مروان جب مہدی عباسی کے دربار میں اس کی مدح میں قصیدہ پڑھ کر انعام کا متوقع ہوا تو مہدی نے کہا کہ تم خود کہہ چکے ہو کہ معن کے بعد داد و دہش کا خاتمہ ہو گیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ اس سال مروان کو دربار سے ناکام واپس جانا پڑا۔ دوسرے سال مروان پھر آیا اور اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ مہدی نے تھوڑا سا سن کر دریافت کیا کہ تمہارے قصیدہ کے کتنے شعر ہیں۔ مروان نے عرض کیا، ایک سو۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کو فی شعر ایک ہزار درہم دیئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی عہد حکومت میں یہ ایک لاکھ درہم کا پہلا انعام تھا (ابن خلکان)۔

لہ یحییٰ برمکی ہارون الرشید عباسی کا عالم، فاضل اور فیاض وزیر اور فضل و جعفر سے مشہور بیٹوں کا باپ تھا۔

یگانہ کہ زیگانگی نشاں نگذاشت | کشاد بر رخ ہر کس درِ تولا را
باو شرف ز نشان و نگین تمنا نیست | شرف از او ست نشان و نگین تمغا را

بیانِ مدح تمامش نہ حدِ امکان ست
بہ بندِ محوی نادان زبانِ گویا را

برائے نذر تو شاہا سخنورانِ کہن | سپردہ اند بمن بندہ ایں گہرہا را [۵]
(حافظ) صبا بلطف بگو آں غزالِ رعنا را | کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادہ ما را
(فیضی) تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی | تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را
(صیدی) امید وصل ندارم بدوستی سوگند | اسیر عشق نمی داند ایں تمنا را
(ظہیر فاریابی) جزائے حسنِ عمل بیں کہ روزگار ہنوز | خراب می نکند بارگاہِ کسریٰ را
(نظیری) ز نقطہ حرف شناساں کتاب ساں شدہ اند | بچشمِ کم منگر نقطۂ سویدا را
(غالب) فروختیم متاعِ سخن بدیں فریاد | کہ فسردہ بازار تشنہ گرمیِ کالا را

(سلمان)
بصورتیکہ تو خواہی و نیک خواہانت
ہزار سال بمانی ہزار معنیٰ را

۵ اس قافیہ اور بحر کے جو بہترین اشعار اساتذۂ قدیم کے میری نظر سے گزرے، وہ اہل ذوق کی تفریح طبع کے لئے یہاں بطرز مناسب پیش کر دیئے گئے ہیں ۱۲

نظمِ نشان (۴)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۴۲ھ

قصدِ مقامِ صبر و رضا کردہ ایم ما | بر ہر عطائے دوست دعا کردہ ایم ما

آوردہ ایم ہدیہ بہ ہر نازِ او نیاز | بر ہر ادائش شکر ادا کردہ ایم ما

ناموسِ خانوادہ و عزّ و وقارِ علم | بر دوست ہر چہ بود فدا کردہ ایم ما

اقرارِ بے گناہیِ خود، جز گناہِ عشق | با صد ہزار صدق و صفا کردہ ایم ما

ہاں سرخوشی و رندی و مستیِ عاشقی | ایں جملہ کردہ ایم و بجا کردہ ایم ما

جشنِ ولادتِ شہِ عثماں علی ست، باز | ہنگامۂ نشاط بپا کردہ ایم ما

سرمستِ عشرتیم ز مےِ خوش گوارِ عیش | با نائے و چنگ بذل و سخا کردہ ایم ما

بے مایہ بود واعظِ خود سر ز یک دو جام | بیچارہ را بساز و نوا کردہ ایم ما

در بزمِ وعظِ شیخ بہ افسردگانِ چند | مے وعدہ کردہ بود وفا کردہ ایم ما

۱؎ . . . .

در آرزوی بخشش و عفوِ خدائگاں | گر کردہ ایم جرم و خطا کردہ ایم ما

یک عمر صرفِ خدمتِ ایں آستانہ شد | تا موسپید و پشت دوتا کردہ ایم ما

۱؎ یہ قصیدہ ۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۲ھ کو ایک درخواست کے ساتھ گزرانا گیا تھا جو اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں ان میں اسی درخواست کا تذکرہ تھا۔

پاسِ نمک، حفاظتِ حق، بندگیِ شاہ
واند خدا چہ کردہ چہ نا کردہ ایم ما

در گلستانِ مدحِ خداوند، ہمسری
با عندلیب نغمہ سرا کردہ ایم ما

مقبول باد عذرِ پراگندہ خاطری
گر لغزشے بمدح و ثنا کردہ ایم ما

آمین شنیدہ ایم ز روحانیانِ قدس
ہر جا کہ بہرِ شاہ دعا کردہ ایم ما

محوی گناہ چیست، ز دستِ خدا نگاں
گر انتظارِ فضلِ خدا کردہ ایم ما

نظم نشان (۵)

بہ تقریبِ سال گرہ مبارک ۱۳۴۱ف بر مصرعہ طرح فرمودہ سرکار دام اقبالہٗ

بقید ہفت بیت

بپا جشن ہمایونست از فضلِ خدا امشب
دگرگونست دل آویزیِ ارض و سما امشب

زمیں در حالتِ وجد و طرب مستانہ می جنبد
پئے عیشِ جہاں عام ست از گردوں صلا امشب

گر افشاندہ است دامانِ تلطف بر سرِ عالم
کہ می خیزد نشاط انگیز ہر موجِ ہوا امشب

تو سر پا کردہ می آیند از ہر سو ہوا خواہاں
نمی دانند ایں دلدادگاں سر را ز پا امشب

ز فیضِ عام و بخششہائے بے اندازہ شاہی
بصد برگ و نوا گردیدہ مردِ بے نوا امشب

رہِ عشاق را یک پردہ بالاتر بزن مطرب
کہ می رقصد شرابِ عیش در بیمانہا امشب

بگوشم می رسد آوازِ تحسینِ سخن سنجاں
غزل خوان ست شاید محوی شیوا نوا امشب

نظم نشان (۶)

اولیں نظمے ست کہ بشرفِ باریابی سرفراز شدہ عرض نمودہ شد
یکم شوال ۱۳۳۵ھ

پیری و ضعیفی ست نہ زور ست نہ مال است — لب تشنہ و جاں سوختہ ام بادہ سوال ست
اے ساقیِ دریا دلِ ما خیز کہ امروز — عیدست و بہارست و روان بادِ شمال ست
ہر گل کہ سر از شاخ کشد شاہدِ رعناست — ہر تار کہ از ابر چکد عقدِ لآل ست
برخیز بصد ناز و دو سہ جام بپیما — زاں بادہ کہ در مشربِ ہر چار حلال ست
بر یادِ رخِ حضرتِ عثمان علی خاں — کو پاک دل و پاک گہر، پاک خیال ست
گردونِ وفا، مہرِ عطا، ماہِ فتوت — دریائے کرم، بحرِ سخا، ابرِ نوال ست
از سایۂ او ہست برومند جہانے — ہر چند ہنوز او بجہاں تازہ نہال ست
برخویشتن اے خاکِ دکن بال کہ امروز — عنقائے شرف بر تو کشادہ پر و بال ست
در مدحِ تو اے شاہ ندانم چہ سرایم — در شرحِ کمالِ تو مرا ناطقہ لال ست
در عہدِ تو آسودہ ہمہ رکنِ شریعت — وز ملکِ تو آوارہ ہمہ کفر و ضلال ست
ہر نقطۂ رنگیں کہ ز کلکِ تو تراود — بر چہرۂ رخشائے فصاحت خد و خال ست
در خیلِ ثنا خوانِ خودش گیر کہ محوی[1] — شیریں سخن، اعجاز بیاں، سحر مقال ست

[1] یہ نظم اور خاص کر یہ شعر میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس نظم کے پیش ادو
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶)

ازعہدِ قدیم ست ثنا خوان و دعا گو | ہم خادم دیرینہ و ہم خیر سگال ست

یارب بجہاں باد بقائے تو باقبال

تا از مہ و خورشید شمارِ مہ و سال ست

نظم نشان (۷)

در تہنیت سالگرہ مبارک رجب ۱۳۴۲ھ

جعدِ بلندِ او دلِ مضطر گرفتہ است | شاہینِ حسن بیں کہ کبوتر گرفتہ است

حبل المتین صبر مرا زود رپنجہ اش | با تارِ عنکبوت برابر گرفتہ است

سرمی کشد بچرخ بریں از غرورِ حسن | آبِ رُخش طبیعت آذر گرفتہ است

بے پردہ جنبش از درِ و بام ست جلوہ گر | باصد ہزار پردہ کہ بر در گرفتہ است

آں نازنیں سوار کہ اقلیم ہائے دل | بے یاری و حمایتِ لشکر گرفتہ است

نازش نگر کہ خاکِ مرا می دہد بباد | ہر چند خود زخاکِ مرا بر گرفتہ است

شادم بایں کرشمہ کہ خود وعدہ نداد | از ما اگرچہ وعدہ مکرر گرفتہ است

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اس کے پسند کئے جانے کے متعلق جب میرے قدیم عنایت فرما رضی الدین احمد صاحب المخاطب بہ عماد جنگ ثانی کو جو میری بدقسمتی سے اس زمانہ میں کوتوال بلدہ ہو گئے تھے، اطلاع ملی تو انھوں نے بہت پیچ تاب کھایا اور اپنے ایک رازدار دوست سے جو الفاظ فرمائے ان کا اعادہ بے سود ہے اس کے بعد انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ انھوں نے کیا اور مجھ کو جو کچھ کرنا تھا وہ خدا نے کیا اور خدا ہی کا کرنا سب پر غالب رہا۔ یہ موقع اس درد ناک داستان کے چھیڑنے کا نہ تھا مگر میری تمام نظموں میں جابجا اس واقعہ اور اس کے نتائج کی طرف اشارے موجود ہیں، اس لئے مجملاً اس قدر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بیچارہ عاشقے کہ بامید یک نگاہ — دل از نعیم ہر دو جہاں برگرفتہ است
محوی کجا رود ز درش چوں ز ابتدا — یک در گرفتہ است و ہمیں در گرفتہ است
بگذار حسن و عشق، سخن از نشاط گو — چوں ایں ہوا بمغز جہاں در گرفتہ است

جشن ست بزم رونقِ دیگر گرفتہ است
ساقی بجلوہ آمد و ساغر گرفتہ است

بربط نواز بربطِ ہجراں کشیدہ را — چوں یار، بر کشادہ و در بر گرفتہ است
مطرب بشعر دلکش و آواز دلفریب — راہ مدیح شاہ مظفر گرفتہ است
شاہ زمانہ حضرتِ عثماں کہ ذکرِ او — از شرق تا بغرب سراسر گرفتہ است
ہر جا کہ شور نعرۂ اللہ اکبر ست — تا ہش خطیب بر سرِ منبر گرفتہ است
در ارتفاع ملت و در ارتقائے قوم — قصب السبق ز طغرل و سنجر گرفتہ است
جز دستِ او کجاست، دریں تیرہ روزگار — دستے کہ دستِ دینِ پیمبر گرفتہ است
عنقائے ہمتش پئے احراز نام و ننگ — اسلام را چو بیضہ تہ پر گرفتہ است
از نیرِ توجہ گیتی فروز او — شمع علوم زندگی از سر گرفتہ است
آراست ہم معاش ازاں ہم معادِ ملک — بنگر، بیک کرشمہ دو کشور گرفتہ است
مشاطۂ سلیقۂ او روئے شہر را — ہمچوں عروس در زر و زیور گرفتہ است
نازم براں لطافت و شیرینیِ سخن — گوئی کہ در دہاں ہمہ شکر گرفتہ است
ہم دادہ است دادِ سخن، ہم بہائے شعر — گر ہدیۂ سخن ز سخنور گرفتہ است

روز ازل زحضرت دارائے دو جہاں — عقل حکیم و بخت سکندر گرفتہ است
منکر گماں مبر کہ نہنگ مبالغہ — در بحر مدح پائے شناور گرفتہ است
ہر آنچہ گفت محوی آزادہ دیدہ گفت — بر ناطقہ زباصرہ محضر گرفتہ است

صد سال زی کہ بہر تو شاہا! دعائے ما
منشور طول عمر زداور گرفتہ است

نظم نشان (۸)

در تہنیت سال گرہ مبارک و ذکر رونق افروزی اعلیٰ حضرت بدہلی ۱۳۴۴ھ

فصل گل آمد دگر پہنائے عالم روشن ست — مخیم رندان میکش باز صحن گلشن ست
بر یمین باد شمال و بر یسار آب رواں — زیر پا فرش زمرد بر سر ابر بہمن ست
شبنم شاداب افشاندہ ست خرمن گہر — زاں گہر دشت و جبل پر کرد جیب و دامن ست
بلبل باغ محبت می سراید ایں غزل — باد می رقصد بشادی شاہد گل کف زن ست

(غزل)

ہر اداے نازت اے نازآفریں دل افگن ست — تا تو نازنین نظر ہر دشت دشت ایمن ست
جلوہ گاہ حسن تو تنہا نہ باغ ست و بہار — منظر زیبائے تو ہر کوچہ و ہر برزن ست
ہر کسے داند بسوئے خود رخ تابان تو — ہیچو آں شمعے کہ پیش اہل محفل روشن ست
در حریم سینہ می سوزم چراغ داغ عشق — در چراغ زندگی تا قطرۂ از روغن ست

غیر انساں نیز در بازارِ عالم جنسہا ست ۔ گرمیِ بازار را لیکن سبب این یک تن ست

اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں ۔ تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

عشق پیدا کن کہ در عشق ست لذتہا بسے ۔ سوز و سازِ عاشقی رونق گرِ جان و تن ست

چشم بند از خلق تا بینی رموزِ کائنات ۔ چشم بربستن ز عالم، چشمِ دل وا کردن ست

تخمِ نیکی کار اینجا گرچہ باشد کم ز جو ۔ آنچہ کاری دانہ است امروز، فردا خرمن ست

دستگیرِ بیکساں شو، کم مباش از چوبِ خشک ۔ چوبِ دریا نگر، چوں دستگیرِ آہن ست

شد تہی خمخانۂ ایام از صہبا جیدلال ۔ راست گر پرسی دریں ایّام صہبا جیدلن ست

می دہد ہر تشنہ لب را جامہا، از بادۂ ۔ کاں بہ دل افزود، عشرت آورد و غم افگن ست

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد ۔ عمرہا گزشت می گوید شبِ آبستن ست

آفتابِ دین و دولت، شمعِ بزمِ علم و فن ۔ نیست جز شاہِ دکن، بر اہلِ عالم روشن ست

حضرت عثماں علی خاں، آنکہ ذکرِ خیرِ او ۔ چار سو پرشیدہ در عالم چو بوئے چندن ست

از کتابِ فضلِ بے اندازۂ شاہانہ اش ۔ ہر حکایت دلکش ست و ہر روایت احسن ست

پادشاہِ ماست یا ہارون و یا مامونِ عہد ۔ حیدر آباد ست یا علم و ہنر را معدن ست

جشنِ میلادِ شہِ والاست، در بزمِ طرب ۔ یا صدائے زندہ باش و یا صدائے ارغن ست

ذکرِ سفرِ مبارک

شہسوارِ ما کمر بستہ است بر عزمِ سفر —— میمنت جائے جنیبت، فتح جائے توسن ست

بر سرِ تاجِ شہامت سایۂ بالِ ہما ست
زیرِ پائے توسنِ اقبال فرقِ دشمن ست

رونقِ بازوئے پُر زور ست گر حرزِ دعا
عقدِ حسنِ اعتقادِ خلق زیبِ گردن ست

زیں ہمہ بگزر دعائے خلق بہرِ پادشاہ
ہم فسونِ تیغ بند و ہم دعائے جوشن ست

تا ابد پائندہ بادا بارگاہِ آصفی
کاں غریباں راست ملجا، بیکساں را مامن ست

جز رہِ فنِ مہر و وفا از محویِ مسکیں مجو
نیک میدانی کہ آں بیچارہ مردِ یک فن ست

نظم نشان (۹)

در تہنیت جشن سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۳۶ف

تا عشقِ تو روشنگرِ آئینۂ جان ست
ہر جوہرِ حسنش کہ نہاں بود عیاں ست

در چشمِ فسوں سازِ تو گر آبِ بقا نیست
از چیست کہ ہر موجِ نگاہت رگِ جان ست

لطفِ تو نہ تنہا ست روان پرورِ عالم
ہم قہرِ تو اے آفتِ جاں، راحتِ جان ست

حسنِ تو گلستانِ جنان ست کہ آں را
نے ذوقِ بہار ست نہ اندوہِ خزان ست

سوداست وصالِ تو، زیان ست فراقت
جز ایں نشناسم کہ چہ سود و چہ زیان ست

از بندۂ مجبور چہ پرسی ز بد و نیک
چوں رشتۂ توفیق بدستِ دگران ست

غافل مشو از عشق کہ ایں عشق فسونگر
دردے ست، چہ دردے کہ دوائے تن و جان ست

افتادہ بہ ہر زاویہ دلہائے شکستہ
کوئے تو مگر کارگہِ شیشہ گران ست

از قافلهٔ رفته ندانم ز که پرسم؟	زنگوله خموش ست و جرس بسته زبان ست
بے مهری گردون و جفا کاری اعدا	چون فضل خداوند که بیرون ز بیان ست
دارائے دکن حضرت عثمان علی خاں	کو بانی امن ست و مبانی امان ست
هر دم بزبان ست مرا مدح تو ای شاه	هر چند که مدح تو نه یارائے زبان ست
دارم هوس مدح تو هر چند که نظمم	ژولیده و پیچیده تر از زلف بتان ست
بر رائے عوام هر چه که پیدا ست هویدا ست	بر رائے تو هر آنچه نهان ست عیان ست
با عقل تو عقل عقلا هیچ میرز ست	با علم تو علم علما هیچ مدان ست
فضل ست که از فضل تو شد شهرهٔ آفاق	عدل ست که از عدل تو با نام و نشان ست
هر نظم تو فصلے ز بدیع ست و بلاغت	هر شعر تو شرحے ز معانی و بیان ست
از جور حریفان سیه کار چه پرسی	این قصهٔ پارینهٔ گرگان و شبان ست
از تهمت اعدائے فسونساز چه ترسی	چون دامن تو پاک تر از آب روان ست
جز شور و شر از حاسد بیچاره چه خیزد	مه نور بعالم فگند سگ به فغان ست
از همت مردانه مکش دست که در دهر	اندازهٔ هر کار باندازهٔ آن ست
از چشم بد اندیش میاندیش که سویت	آن چشم که یک لحظه نخواهد نگران ست
مردان فلک مرتبه را در صف هیجا	هر زخم که آید بجبیں کاهکشان ست
آن گرد که خیزد ز سم اسپ سواران	در معرکه آرایش رخسار یلان ست
سر زد به تولائے تو از مشرق طبعم	این مطلع تابنده که خورشید جهان ست

جشن ست و نشاط ست و جهان باز جوان ست
آمادهٔ صد عیش زمین ست و زمان ست

آن دختِ رز که دیروز به خُم حجله نشین بود — امروز نگردستخوشِ پیر و جوان ست
از بادِ بهار ست چنان هر روشِ گل — گوئی که چمن بزمگہِ باده کشان ست
از بذلِ غریبان نشود باده به خم کم — این نکته مرا گوش زد از پیرِ مغان ست

ذاتِ تو با وصافِ کریمان بجهان باد — تا نامِ کریمان ز کریمی بجهان ست
مقبولِ نظرِ خاطرِ مجموعِ تو بادا
این نظم که از محوی آشفته بیان ست

نظم نشان (۱۰)

تہنیت عید الفطر ۱۳۳۸ھ

از زلف سراسیمهٔ ز بالا به بلا داشت — جز این و جفا دوست جفائے نه روا داشت
ما بستهٔ زلفیم که دل را به ادا برد — ما کشتهٔ چشمیم که انداز حیا داشت
جان خواست جراحت، نه جراحت که زخجلت — دل کرد طلب درد، نه دردے که دوا داشت
گاہے نفسِ سرد و گہے اشکِ ندامت — پروردهٔ ملکیم که این آب و ہوا داشت
جز از حرم کعبه نگردند تماشا — ہر چند که اورنگِ تماشا ہمه جا داشت

یک حرف بہ تسکینِ دلِ خستہ نہ فرمود — آں لعل کہ از بہر ہمہ قانونِ شفا داشت
بر شاہ سعید آمد و بر ملک ہمایوں — ایں عید کہ سرمایۂ صد مجد و علا داشت
مقصود زشہ حضرت عثمان علی خاں ست — کو دولت و اقبال بتائیدِ خدا داشت
ہر کار کہ او کرد ہمہ بذل و عطا بود — ہر عہد کہ او بست ہمہ صدق و صفا داشت
با تاب و تواں گشت ز بازوش عدالت — بے برگ و نوا از کرمش برگ و نوا داشت
ہم عقل حکیمانہ و ہم طبع سخن سنج — ہم حفظ گراں پایہ و ہم ذہنِ رسا داشت
از بسکہ ز توقیر و شرف کعبۂ جاں بود — دلہا بسوئے خود صفتِ قبلہ نما داشت
در سایۂ او علم و ہنر بال و پر آورد — آں سایہ مگر خاصیتِ بالِ ہما داشت
ایں گل ز کجا بود ندانم کہ دریں فصل — ہم رنگِ دل آویزی و ہم بوئے وفا داشت

در شرح اگر طول نزد حرف عجب نیست
محوی کہ ہمہ نطق و بیاں صرفِ دعا داشت

نظم نشان (۱۱)

حسب ایمائے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی بمشاعرہ سالگرہ مبارک
منعقدہ عالی جناب سر مہاراجہ یمین السلطنہ خواندہ شد
۱۳۴۲ف

اینِ گنجِ دو عالم وجود انسان ست —— ہمیں کلید نہا نخانہائے امکان ست

جہان فضل و کمالش چو بنگری بینی
کہ ذرہ ذرہ آں آفتاب تابان ست

دخان مسخر او گشت برق فرماں بر
قضا بجا کری او ہوا بفرمان ست

زہے زمانہ کہ خیل ہنروران امروز
بزور عقل توانا تر از سلیمان ست

گماں مبر کہ دریں کار دست قدرت نیست
کرشمۂ خرد ست ایں خرد یزدان ست

گزر ز ذکر عروج ہنروران و بس
ز حسن و عشق سخن گو کہ روح و ریحان ست

ز دل مپرس مسلماں کہ نامسلمان ست
ہمیں بس ست کہ از جاں فدائے جانان ست

حکایت دل پر خون و دیدۂ خوں ریز
ہماں حکایت گلچین و گلفروشان ست

نظارہ گاہ جہاں بود جلوہ گاہ بتاں
حریم دل کہ کنوں خانقاہ ویران ست

حدیث حسن تو یارب کہ در چمن آورد
کہ غنچہ بستہ گل آشفتہ لالہ حیران ست

ز دید لالہ و ریحاں کجا شود مسرور
نگہ کہ خوگر حسن بہار خوبان ست

شگوفہ می برد اندیشہ را بسوئے دلاں
بنفشہ یاد دہ زلف عنبر افشان ست

کجا شکیب قتیل نگاہ الفت را
ز نرگسے کہ بہ ترکیب چشم فتان ست

ز خار خشک چہ رانی سخن کہ ہم گل تر
ز عندلیب جگر خوں کشیدہ دامان ست

رسیدہ ام بمقام فسردگی کہ دراں
نہ برق خندہ زن ست و نہ ابر گریان ست

بجائے کہ منم قہر و مہر ہر دو یکے ست
برتبہ کہ تو ئی شکر و شکوہ یکسان ست

مدار چشم زلیخائے تن بعود شباب
ہنوز یوسف روح رواں بزندان ست

ز قربِ دامن و پیدائیِ کنارہ چہ سود ۔ کنونکہ کشتیِ عمرِ رواں بطوفان ست
رسید کوکبۂ شہسوارِ حسن کجاست ۔ کسے کہ گوئے زن عشق و مرد میدان ست
کدام نشترِ دردِ تو بر گلو زدہ اند ۔ کہ سیلِ خونِ محبت رواں ز شریان ست
نہ دردمندِ تو منت کشِ دوا وائے ۔ نہ تشنۂ تو طلبگارِ آبِ حیوان ست
جنوں نوازیٔ دل سوزیٔ بیاباں را ۔ ز قیس پرس کہ پروردۂ بیابان ست
کجا کجا برم اندر جنوں گریباں را ۔ دو دست منتظر اند و یک گریبان ست
قصورِ خاطرِ تنگ ست نے دامنِ کوتاہ ۔ وگرنہ لالہ و گل در چمن فراوان ست
بذیلِ عفو چہ پوشد گناہِ ما واعظ ۔ کہ خود تنش ز لباسِ عفاف عریان ست
گرفتہ است سراسر جہانِ عز و شرف ۔ سخن کہ جوہرِ تیغِ زبانِ انسان ست
نہ عاقلی ست طلب کردنِ بہائے سخن ۔ دریں زمانہ کہ شعر از شعیر ارزان ست
بہائے شعر کجا داد شعر ہم ندہند ۔ اگرچہ شعرِ تو خوشتر ز درِّ عمان ست
ہزار بار کہ خالی شد از سخن سنجاں ۔ بہشتِ ہرزہ سرا دوزخِ سخندان ست
بہ بزمِ شاہ چناں سرخوش ست مرغِ چمن ۔ کہ زیرِ پردۂ ہر برگِ گل غزلخوان ست
بوصفِ ذاتِ ہمایونِ پادشاہِ دکن ۔ کہ فردِ عہدِ خود ست و حکیمِ دوران ست
اساسِ معدلت ست و جہانِ علم و ہنر ۔ سپہرِ مکرمت ست و محیطِ احسان ست
نقاوۂ ہمہ ست و خلاصۂ تدبیر ۔ ستودۂ خرد ست و گزیدۂ جان ست
خرد پژوہ خرد پرور و خرد مایہ ۔ سخن شناس سخن گستر و سخندان ست

چراغ روشنِ آں دودماں کہ صیتِ جہاش　　گرفتہ ہند و دکن تا بحد ایران ست
فروغ تازۂ آں سروراں کہ گردنِ ملک　　زعقد منتِ شاں زیر بار احسان ست
شہا بمدحِ تو ہر انچہ گفتہ ام صدق ست　　مرا بگفتۂ خود صد ہزار برہان ست
بعدل و داد تو شکر ست برہمہ واجب　　ز بذل و لطف توا نکار عین کفران ست
ضیائے عقل تو تاباں بسانِ خورشید ست　　ہوائے لطفِ تو باراں چو ابر نیسان ست
بدست و اردِ لِ مستمند خلق خدا　　ہمیں نگین و ہمیں خاتمِ سلیمان ست
خدا دہد بتو ہر آنچہ از خدا خواہی　　دعاست مختصر و معنیش فراوان ست
بشب درست شد ایں سلکِ صبح آوردم　　بہ نذرِ شاہ کہ جوہر شناسِ ایں کان ست
ازیں شرف کہ زمداحِ تو محوی یافت　　ہزار منقش اندر و نگار بر جان ست

نظم نشان (۱۲)

بہ تہنیت عید اضحی ۱۳۳۴ھ

ہزار راہ زہر سو بمنزلِ یار ست　　چو بنگری ہمہ آفاق پر ز آثار ست
کہ جلوہ کرد کہ عالم منور ست ز حسن　　کہ رخ نمود کہ گیتی برنگ گلزار ست
چہ مے کہ ریختہ ساقی بقالبِ خاکی　　کہ مشتِ خاک ازاں مے ہنوز سرشار ست
کدام نغمہ کہ مطرب سرود در مستی　　کہ مست و بیخود ازاں نغمہ چرخ دوار ست
کہ تاب دادہ دگر بار زلف مشکیں را　　کہ باز دامنِ دل پر ز مشک تاتار ست

چہ صنعت ست کہ برپاست بے ستون ایں سقف
فدائے صنعتِ او ایں کدام معمارست

بوصفِ او چہ شوم تر زباں کہ در صفتش
ہر آنچہ مے نگری بے زباں بگفتارست

بگوشِ بندہ ندا نی سروشِ عالمِ غیب
چہ گفت ۔ گفت کہ عالم طلسمِ اسرارست

بزورِ عقل نہ بکشاید ایں طلسم کسے
ز عقل دم مزن اینجا کہ عقل ناچارست

مشو فریفتۂ حسنِ دل کشِ دنیا
کہ ایں ضعیفۂ دیرینہ سخت بکّارست

قدم شمردہ بنہ در سفینۂ اعمال
ہوا مخالف و دریا بجوش و شب تارست

نگاہ دار دلِ ہمرہانِ سست قدم
تو تند می روی و آبگینہ دربارست[1]

لبِ پیالہ چہ بوسی کہ از مئے دوشیں
ہنوز تلخی و ترشی بکامِ میخوارست

حدیثِ عشق چہ گوئی کہ ایں حدیثِ شریف
بسانِ مدحتِ شاہِ زمانہ دشوارست

جنابِ آصفِ ہفتم، خدیوِ ملکِ دکن
کہ بہرِ او ہمہ مدح و ثنا سزاوارست

---

[1] حضرت رسالت پناہ صلعم کے ساربانوں میں ایک شخص "انجشہ" نامی تھا جو بہت خوش آواز تھا جب وہ حدی گاتا تھا اونٹ مست اور بہت تیز ہو جاتے تھے۔ ایک سفر میں اس نے گانا شروع کیا اور جس اونٹ پر حرم محترم تھے وہ ضرورت سے زیادہ تیزی کرنے لگا تو آپ نے فرمایا " رُوَیْدَکَ یا انجشہ لا تکسر القواریر" یعنی اے انجشہ آہستہ ایسا نہ ہو کہ شیشے ٹوٹ جائیں شیشوں سے آپ کا مقصد کجاوہ نشین بیبیاں تھیں۔ اس حدیث سے اکثر عربی اور فارسی شعرا نے مضامین اخذ کیے ہیں اردو میں بھی اس کو میر انیس مرحوم نے بہت خوبی سے ادا کیا ہے ؎

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم ❊ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زرائے مملکت آرائے او بجائے وطن — بہر کجا کہ قدم می نہی ہمن زا رست
ہم اوست باعث توقیر ملت بیضا — ہم او معاون دین رسول مختا رست
وجود اوست کہ زاں روشن ست گوشۂ ہند — وگرنہ مطلع اسلام تیرہ و تا رست
زماں زماں صفت پادشاہ می گویم — زبان بندہ تو گوئی پئے ہمیں کا رست
پس ثنا است دعائے درازی عمرش — کہ عمر او ہمہ صرف رضائے دا دا رست

نشاط عید پئے بادشاہ و محوی را
ہمیں بس ست کہ او شادماں ز دیدا رست

نظم نشان (۱۳)

در تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۴۶ھ

باز گیتی مایۂ نشو و نما آوردہ است — شاخ بے برگ نوا برگ نوا آوردہ است
از ہجوم لالہ و گل وز قدوم نوبہار — باد نوروزی نوید جاں فزا آوردہ است
لازم حسن ست مستی شاہد گل را ازاں — شاخ گل سرمست بر دوش صبا آوردہ است
زرد روئے در خزاں نے سرخ پوش اندر بہار — باغباں چوں سرو ما را یک قبا آوردہ است
تشنہ کامان محبت را برائے امتحاں — یار ما صد بار در کرب و بلا آوردہ است
علت ہر درد خود بینی ست وان عشق نیست — عشق گوئی بہر ہر دردے دوا آوردہ است
بستۂ فتراک عشقیم و نمی دانیم دوست — می برد ما را کجا و از کجا آوردہ است

می شوم بارِ دگر مفتونِ آں شوخے کہ او — لبت نے عہدے نہ عذرِ ماجرا آوردہ است
در حریمِ بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ — خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است
حضرتِ عثمان علی خاں آصفِ ملکِ دکن — آنکہ در نظمِ جہاں فکرِ رسا آوردہ است

شاہِ ما دانی کہ از فطرت چہا آوردہ است
عقلِ دُوراندیش و رائے بے خطا آوردہ است

در رگ و پے خون و ہم خوں گرمیِ آں رسول — در دل و جاں دردِ دینِ مصطفےٰ آوردہ است
جزم از عزمِ حسینؑ و لینت از خوئے حسنؑ — ہمتِ مردانہ از مشکل کشاؑ آوردہ است
از تکلف ہائے بے معنیٰ ست ہر دم محترز — در تنِ شاہانہ روحِ اتقیا آوردہ است
از بناہائے متین و ز بندہائے آبگیر — سیل پر عہدِ خود از آبِ بقا آوردہ است
بہرِ شرقی فرزانہ سلطان العلوم — از علومِ مغربی[1] گنجینہ آوردہ است
در گلستانِ فصاحت خامۂ گلریزِ او — صد نوا چوں بلبلِ شیریں ادا آوردہ است
مدحِ بے پایانِ شہ محوی ندارد انتہا — لاجرم مداح رو سوئے دعا آوردہ است

شاہ را ہر لحظہ دارد بر مرادش کامیاب
آنکہ از یک لفظ "کن" ارض و سما آوردہ است

---

[1] دارالترجمہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت بندگانِ عالی کی شاہانہ توجہ سے مغربی علوم کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی اور ہو رہی ہیں۔

نظم نشان (۱۴)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۶-۳۷ ف

بدوست یا و ندارم مرا چہ پیوندست / جز ایں دو حرف کہ من بندہ او خداوندست

زمنکراں نہ ہراسم کہ بر محبتِ من / نگاہِ شوق گواہ است و اشک سوگندست

تفاوتست بسے درمیانِ عشق و ہوس / ہوس اگرچہ بظاہر بعشق مانندست

چگونہ از خم و پیچ بلا رہا گردد / دلے کہ در شکنِ زلفِ پُرشکن بندست

حدیثِ آں لبِ شیریں کہ در چمن آورد / کہ گل فشاند شکر غنچہ در شکر خندست

بجلوہ گاہِ جمالش چہ بنگری کانجا / خرد رمیدہ و یک نگہ نظر بندست

برنگِ شمع بروئے زمانہ می خندیم / ز اشکباریِ ما گر زمانہ خرسندست

بدامنِ ترِ ما شعلہ در نمی پیچید / وگرنہ آتشِ سینا ہنوز در زندست

زباں مبند ز ذکرش کہ یار می فہمد / زبانِ عشق اگر تازیست ور ژندست

کجا کجا بزند بخیہ سوزنِ تدبیر / کہ چاک چاک ز دستش ہمہ جگر بندست

بہ پندِ غیر چہ حاجت کہ بہرِ اہلِ نظر / جہان و ہرچہ درو ہست پند در پندست

"زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" / صلاحِ ما در گیتی ہمیں نغز پندست

سخن ز دردِ دلِ خویشتن مگو امروز / کہ جشنِ مولدِ شاہ است و خلق خرسندست

شہے کہ با ہمہ نوخیزی و جواں سالی / بسانِ پیرِ جواں دانش و خردمندست

برابرست بعدلش امیر اطلس پوش — بہ آں گدا کہ بہ تقش ہزار پیوندست
کشیدہ خوانِ عطارا بایں کشادہ دلی — کہ بسط آں زسراندیپ تا سمرقندست
ازاوست چشم ہنرپروری نہ از دگراں — ہنر بہ پرورد آنکس کہ خود ہنرمندست
خطاب اوست پئے دل شکستگاں دارو — سخن ز فرطِ لطافت ہمہ گل و قندست
نوائے دل کش ازیں بہ چہ گوش گل شنود — ز بلبلے کہ سر آشفتہ دل پراگندست
مراکشید ہوائے یگانگی محوی — دراں دیار کہ بیگانہ خویش و پیوندست
برائے شاہ دعا می کنم کہ نخلِ دعا — زآبِ دیدہ چو سیراب شد برومندست

نظم نشان (۱۵)

کہ از لکھنؤ گزرانیدہ شد غالباً ۱۳۳۱ھ ف

ہر کرا روئے یار در نظر ست — فارغ از دید جلوۂ دگرست
در سرِ عاشقانِ پختہ خیال — ہر چہ جز یار ہست دردِ سرست
حاصلِ باغ زندگی در دوست — دلِ بے درد نخلِ بے ثمرست
جنتا زلطفِ دوست یک پرکاہ — دوزخ از قہر یار یک شررست
مانہ سرمست بادہ و جامیم — نشۂ ما زعالمِ دگرست
چارہ گر ہم بسوئے دل نظرے — کہ دلم خستہ تر ہم از جگرست
نگزارد قدم زجادہ بردن — ہر کرا خضرِ شوق راہبرست

جوہر شوق و گوہر اخلاص — پاک چوں جانِ شاہ دادگرست

میر عثمان علیؓ خدیو دکن — کہ بعالم بہر دمی سمرست

میر دو نام او زملک بملک — در حضر خویش و نام در سفرست

نام نیکش گرفتہ است جہاں — زیں سفر کاں وسیلۂ ظفرست

دلِ او صاف، رائے او روشن — عقل او تیز، چشم حق نگرست

ملک را کارساز و کارکشا — قوم را چارہ ساز و چارہ گرست

حیدرآباد زیر سایۂ او — منبع فضل و چشمۂ ہنرست

گردِ او اہل فضل ہالہ زدہ — او خود اندر میانہ چوں قمرست

مہ مگو آفتابِ عالم تاب — بمثل در سپیدۂ سحرست

عہد مامون و روزگارِ رشید — چشم بد دور باز در نظرست

می کند سنجری و در خیلش — انوری و معزّی دگرست

می کند اکبری و در بزمش — صد چو فیضی و فضلِ دیگرست

می کند قہر و می نوازد نیز — قہر او قہر مادر و پدرست

ہم عتابش خبر دہد از لطف — ہمچو تندر کہ مخبرِ مطرست

اے شہ دیں پرست، قوم پناہ — گرچہ بر پایہ ہند شور و شرست

تا توئی ناخدا سفینۂ ما　　از نہنگانِ بحر بے خطر ست
ملک آسودہ از نزولِ بلاست　　تا چو تو سایۂ خدا بسر ست
می رود کاروانِ دیں بے باک　　تا چو تو رہنما و راہبر ست
کم نہ وصفت نہ نطقِ من قاصر　　لیکنم وقت را کہ مختصر ست
بہ کہ دستے برآورم بدعا　　کہ دعاہائے خستہ را اثر ست
باد حکمِ تو در جہاں نافذ　　تا زمیں زیر و آسماں زبر ست
محوی خستہ باد مدح سرا　　تا بکامش زبانِ نکتہ ور ست

نظم نشان (۱۶)

۱۳۳۱ف

(یہ پہلی نظم ہے جو لکھنو سے واپسی کے بعد ملاحظۂ اقدس میں گزرانی گئی تھی)

شہ سلیمان زمان ست و مسیحِ زمن ست　　حامیِ ملت و دیں ماحیِ کفر و فتن ست
در تنِ مردۂ ایں بندہ دگر روح دمید　　ذکرِ ایں معجزۂ تازہ بہ ہر انجمن ست
گفت میکالؑ مبارک کہ براتِ رزقت　　باز بر دولتِ پائندۂ شاہِ دکن ست
نیست ممکن کہ تراجاں دہم و ناں ندہم　　آنکہ روزی دہِ یک مملکتِ مرد و زن ست
گفتمش ہیچ ندانی کہ شہ از عہدِ قدیم　　مالکِ خواجہ و مختار و خداوندِ من ست
ہر حکایت ز دل آویزیِ لطفش مرغوب　　ہر روایت ز جہانگیریِ خلقش حسن ست

قلعه بستهٔ افسون عدو و شکند — زور بازوئے خداوند که خیبر شکن ست
در سخن پایهٔ ادب بارز ندانی محوی — شاه پیغمبر شعر ست و خدائے سخن ست

نظم نشان (۱۷)

به تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مد ظلہ العالی

به بیدر بغرض افتتاح راه آهن ۱۳۳۶ ف

امروز از قدوم همایوں چو گلشن ست — شهرے که یادگار ز شاهانِ بهمن ست
صد شکر شمع کشتهٔ اقبالِ ایں دیار — امروز از فروغِ رخت باز روشن ست
باید شنید زمزمهٔ شکر ایں قدوم — از باغیش که احمد[1] جنت نشیمن ست
باید نهاد گوش بر آوازِ آفریں — از خواجه جهاں[2] که مدفنش همیں ست
آں جاں نثارِ ملک که از خونِ ناحقش — ایں سرزمیں چو دستِ عروساں ملوّن[3] ست
آں خفتگاں که دامنِ صحرائے ایں دیار — از مرقدِ منورِ ایشاں مزیّن ست
ابنائے روزگار که از فراقِ شاں — تا ایں زمانه مادرِ گیتی بشیون ست

[1] احمد شاہ بہمنی جس نے گلبرگہ سے دار السلطنت کو بیدر میں منتقل کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں
[2] خواجہ جہاں محمود گاوان علیہ الرحمہ خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف وزیر تھا جسے محمد شاہ بہمنی نے اپنے عہد حکومت میں قتل کرا دیا
[3] بیدر کی مٹی گہرے سرخ رنگ کی ہے

شاہانِ بہمنی و گرد و بریدیان — در مدح پادشاہ و زمان این نوازن است
نشو و نمائے باغ تو ئی باغ گر جہاست — رو بحِ روانِ ملک توئی ملک گر تن است
ہم می دود بخدمتِ تو قاصدانہ برق — ہم رہبرت بدشت و جبل راہ آہن است
دشمن اگرچہ چشم کند وا گناہِ اوست — ہر کار تو وگرنہ چو خورشید روشن است
بالجملہ ایں گروہ چو محوی پئے دعا — افراختہ دو دست فراکردہ دامن است

نظم نشان (۱۸)

باظہار تشکر و امتنان نسبت صدور فرمان عطوفت نشان بعطاے خدمت

بہ بندہ زادہ رشید احمد ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ۱۳۳۶-۳۷ ف

درحقِ بندہ زادہ چو عزِ ورود یافت — فرمانِ شہ کہ موجبِ صد افتخار ہست
کردم دعاے دولت و گفتم کہ ایں عطا — در کارنامہائے کرم یادگار ہست
ہنگامِ انتشار و پراگندہ خاطری — سرمایۂ تسلّیِ جانِ نزار ہست
امروز باز بندۂ دیرینہ سرفراز — از چشمِ التفات خداوندگار ہست
فضلش نخواست روزیِ ما تنگ تر کند — نقدانِ آں کفاف کہ در انتشار ہست
تابندہ باد بر سرِ عالم چو آفتاب — شاہ دکن کہ تاجِ سرِ روزگار ہست
ہر رائے او چو رائے حکیمست سودمند — ہر حکم او چو حکم قدر استوار ہست
محوی ترا ز گردشِ ہفت آسماں چہ باک — تا بر سرِ تو سایہ پروردگار ہست

نظم نشان (۱۹)

بہ تہنیت سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق سنہ ۱۳۴۳ف بر مصرعِ طرح فرمودۂ سرکار

ع "سرمہ در چشمِ حسیناں فتنۂ خوابیدہ است"

دیدنی ہا دیدہ و ہم نادیدنی ہا دیدہ است — دیدۂ ما سیر از دیدِ جہاں گردیدہ است
زیں تماشا ہا بسے دیدست مردِ راہرو — در گزرگاہِ جہاں چوں برق ناپائیدہ است
ہیچ میدانی کہ ایں گلچینِ باغِ رنگ و بو — در بہارِ نوجوانی دستہ ہا گل چیدہ است
عمرہا خوردست با یاراں شرابِ حسن و عشق — سالہا در دامنِ ناز و نعم خوابیدہ است
ہر مئے دیریں کہ ساقی داشت در مینائے جمشید — ہر گلِ رنگیں کہ سر زد از چمن بوئیدہ است
ایں مسلمانِ تازہ و دیرینہ گبرِ بت پرست — در حریمِ کعبہ ہم عشقِ بتاں ورزیدہ است
بر دیارِ دل کہ اکنوں بینیش تاریک و تنگ — آفتابِ کامرانی سالہا تابیدہ است
ریشۂ نخلِ تمنا در گلستانِ خیال — بارہا پژمردہ گشت و بارہا روئیدہ است
داستانِ عہدِ گل اے عندلیب اکنوں چہ سود — برفِ پیری بر سوادِ زندگی باریدہ است
رہروِ عمرِ رواں را در ہمیں منزل مدام — بارِ سر افتاد و پائے بارگی لغزیدہ است
بر بساطِ دہر چندیں مُہرہا بنشاند چرخ — چوں مژہ برہم زدم آں مُہرہا چیدہ است
پردہ چوں افتاد از چشمِ گماں ہم شد یقیں — کردہ ہا ناکردہ است و دیدہ ہا نادیدہ است
شمع را کردند قسمت گریۂ شبہائے تار — در سرائے اینکہ مسکیں یک نفس خندیدہ است

نالہا کردست عاشق در غمِ ہجرانِ دوست
ہر کجا مرغِ چمن در یادِ گل نالیدہ است

عشقِ خوباں خانہ زادِ وامق و فرہاد نیست
این پسر را مامِ فطرت بے پدر زائیدہ است

شہرۂ حسنِ ازل از شورشِ سودائے ماست
گرمیٔ بازارِ گل از بلبلِ شوریدہ است

ساقیِ رنداں کجائی ساغرے پرکن کہ باز
در سرِ میکش ہوائے مدحِ شہ پیچیدہ است

حضرتِ عثماں علی خاں پادشاہِ داد و دیں
آنکہ شخصِ علم و فن را روشنی دیدہ است

گنج ہائے بیکران و نقد ہائے بیشمار
حق بر او پاشید او در راہِ حق پاشیدہ است

تا برآورد دستِ دجلہ بار از آستیں
چشمۂ جود و سخا ہر جا بسر جوشیدہ است

ہر کجا بارید ابرِ فیضِ عالمگیرِ او
سبزۂ شاداب و نخلِ بارور روئیدہ است

سر بسر آثارِ مردی و فتوت دیدہ اند
اندراں میداں کہ رخشِ عزمِ او پوئیدہ است

جہل را کم کرد قیمت علم را افزود قدر
در ترازوے خرد چوں ہر دو را سنجیدہ است

فضلِ او گردید فرقِ بیوگاں را سائباں
اشک از چشمِ یتیماں لطفِ او شوئیدہ است

در علوِ مرتبت پہلو بکیواں می زند
از وجودش آں چناں خاکِ دکن بالیدہ است

در تنِ خاک ست جنبش از دمِ جاں بخشِ او
آسماں استادہ در عہدش زمیں جنبیدہ است

خلق آرامیدہ در گہوارۂ امن و اماں
چشمِ او بیدار و چشمِ فتنہ گر خوابیدہ است

در شمارِ عمرِ او یک صفر افزوں کردہ اند
معنیِ جشنِ گرہ عاقل ہمیں فہمیدہ است

ہر کجا کردہ ست مداحش بحقِ او دعا
نعرۂ آمین آمین از فلک بشنیدہ است

چوں نگردد کلکِ محوی در سخن شکر فشاں
در مدیحِ پادشہ چندیں شکر خائیدہ است

نظم نشان (۲۰)

در تہنیت سالگرہ مبارک و ستائش سخنوری ممدوح

بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت ۱۳۴۸ھ

بتاب اے مہرِ ہنگامِ ظہور ست — جہانِ منتظر جویائے نور ست
برآمد از اُفقِ صبحِ سعادت — فروزاں وادیِ فارانِ و طور ست
رواجِ جہل و ظلمت برطرف شد — متاعِ دین و دانش در وفور ست
عروجِ حکمتِ روحانیان ست — ز علمِ اہلِ یوناں دل نفور ست
قرارِ نیک و بد از خویشتن نیست — سروشِ وحی کشافِ امور ست
فلک ہمت فزائے خیر و خوبی ست — جہاں بیگانہ از فسق و فجور ست
شہیدانِ اداہائے صفا را — حیاتِ جاودانی در حضور ست
نوائے دلکشِ اللہ اکبر — شفابخشِ جراحاتِ صدور ست
درِ میخانۂ وحدت کشادند — دلِ اہلِ یقیں وقفِ سرور ست
سوالِ مے ز ساقی ناروا نیست — کہ ساقی مہرباں دل ناصبور ست
اگر مے نیست چشمِ مست ساقی — "بقولِ شاہ صہبائے طہور ست"
خدیوِ پر ہنر عثمان علی خاں — کہ فضلش مشتہر نزدیک و دور ست
مرصع نثرِ او چوں عقدِ پرویں — مسلسل نظمِ او چوں زلفِ حور ست

درخشان ست اندر سلکِ نظمش — ہر آں گوہر کہ در جیبِ بحور ست

معانی در سوادِ گفتۂ او — بیاضِ روشن بین السطور ست

چو تشریحش کنی تفسیرِ آیات — چو در لحنش کشی نظمِ زبور ست

برد حظ آنکہ از نظمِ روانش — کہ بر بحرِ سخن او را عبور ست

بحقِ دشمنانِ ملک و ملت — صریرِ کلکِ او آوازِ صور ست

پئے افزونیِ اقبال و جاہش — دعائے ما رواج ست و بگور ست

حسابِ عمرِ او یارب فزوں باد
حسابِ سالہا تا از شہور ست

نظم نشان (۲۱)

تہنیت جشنِ بست و پنج سالہ جلوس اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی

۱۳۵۵ ف

گیتی مراد از نمِ ابرِ بہار یافت — دامانِ خویش پُر ز دُرِ شاہوار یافت
شاخے کہ دی ز دستِ خزاں پائمال بود — امروز از بہارِ سرِ تاجدار یافت
گلزار از دمیدنِ گلہائے رنگ رنگ — رعنائی و طراوتِ روئے نگار یافت
شد تازہ عہدِ خسروی و جان باربد — از نغمہ خواں کہ جائے بہ بزمِ شاخسار یافت
اکنوں سزاست خندۂ بلبل کہ باغ را — آراستہ چو بزمِ شہِ نامدار یافت
دارائے ملک حضرت عثمان علی کہ زو — شان و شکوہ و شوکت و فر روزگار یافت
فرماندہے کہ در صفِ شاہانِ عصر — از رائے پیر و بختِ جوان عز و وقار یافت
عقلِ سلیم و فکرِ رسا طالعِ بلند — روزِ ازل ز بارگہِ کردگار یافت
ہم طبعِ او لطافتِ بادِ صبا گرفت — ہم دستِ او تراوشِ ابرِ بہار یافت
از حکمتش تواں بہ تنِ ناتواں رسید — وز ہمتش قرارِ دلِ بے قرار یافت
بر ہر مہم کہ بست کمر دستِ ہمتش — اقبال و فتح را بہ یمین و یسار یافت
فیضِ نسیمِ صبحدمِ التفاتِ او — ہر شاخِ دل شگفتہ و با برگ و بار یافت
نقادِ روزگار زرِ حسنِ نیتش — صد بار بر محک زد و کامل عیار یافت

بے امتیاز ملت و مشرب پسر دکار — ہر مرد را کہ مخلص و خدمت گزار یافت

اندیشۂ فساد و غم فتنہ بانماند — ہر جا کہ دست قدرت و اقتدار یافت

ہر انچہ دید قوم از او بے مثال دید — ہر انچہ یافت ملک از و یادگار یافت

ہر قولِ شاہ شکل عمل اختیار کرد — ہر کارِ شاہ مرتبۂ شاہکار یافت

بذل و عطا و دانش و دیں شانِ سروری ست — شاہ ست آنکہ بہرہ ازیں ہر چہار یافت

ترقی علوم و فنون

علم و ہنر بظلِ ہمایونِ تو شہا — قدرِ بلند و پایۂ استوار یافت

افسانۂ معارفِ بغداد و قرطبہ — از جہدِ علم پرورِ تو اعتبار یافت

تعلیم گشت عام باندازہ کہ ملک — تعلیم گاہِ عام بہ ہر رہ گزار یافت

ایں ملکِ تشنہ لب ز مے علم و ہنر چشید — چوں بادہ کش کہ بادہ پس از انتظار یافت

[illegible]

از جامعۂ [illegible] — [illegible] یافت

جمعے ز اہلِ علم کہ بے زینہار بود — [illegible]

دشوار در زمانۂ قدرِ تو اہلِ علم — گویند علم طالع ناسازگار یافت

لہ جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس نے محض اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی سرپرستی اور دستگیری سے یہ ثابت کردیا کہ مغربی اور مشرقی علوم و فنون میں اعلیٰ تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں یہی عمل اختیار کر رہی ہیں۔ اس بارہ میں گویا عثمانیہ یونیورسٹی سب کی استاد ہے۔

دار الترجمہ

ہر کس کہ دید جامعہ را کشت زار علم — شک نیست دار ترجمہ را جوئبار یافت
صدہا کتاب حکمت و تاریخ و فلسفہ — با نامِ نامیت بجہاں اشتہار یافت
راضی مشو کہ بارِ دگر ابلہانِ قوم[1] — ویراں کنند باغ کہ از تو بہار یافت
باور مکن حدیث مخالف کہ ایں گروہ — چوں لالہ روئے سرخ و دلِ داغدار یافت
ایں جُو نہ خشک گشتہ و ایں کشت تازہ زرد — تا زندہ رود[2] فیضِ ترا آبیار یافت
دانی چہ گنجہائے زر علم شرق و غرب — اردو زبان ز یاوریت در کنار یافت

آرائش ملک

غزنی و اصفہان و بخارا ندیدہ بود — آرائشے کہ شہر ز تو شہریار یافت
ہر صفحہ صحیفہ ملک و سوادِ ملک — از کلکِ نقشبندِ تو نقش و نگار یافت
ز شاہراہ ہائے کشادہ چہ گلستاں — خلقِ خدا کشادہ رہِ کاروبار یافت
وز آبگیر چوں دلِ دریا دلاں فراخ — آسائش و فراغ دل کشتکار یافت
در پردہ جست ہر چہ نظر بے حجاب دید — ہر نکتہ خواست دل بہ نہاں آشکار یافت

۱؎ اس سے قبل جو دار الترجمہ قائم ہوا تھا وہ شبلی مرحوم سے بچ گیا تھا۔ اور [illegible] کے یہ [illegible] کام کر رہا تھا وہ کسی قسم کے لوگوں کی ناقدردانی کی وجہ سے جنہیں ہم نے ابلہانِ قوم اور ہنگامیوں وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے توڑ دیا گیا ۲؎ ایران کا مشہور دریا

نظمِ مملکت

از قطاعِ مملکت کہ بحکمت نہادہ — آں را بوضعِ خویش جہاں سازگار یافت
دیوِ ستم کہ داشت جہاں را بگیر و دار — خود را بدورِ عدلِ تو در گیر و دار یافت
در دستِ تو نہاد حق آئینِ داوری — ذاتِ ترا چو دادگر و حق گزار یافت
میدانِ عدل بہر صفِ دادگستری — نازد بخویشتن کہ چنیں شہسوار یافت

پرورشِ یتیمان و بیوہ گانِ ملازمین وغیرہ

دستِ کرم بلند شد و آستیں کشید — بر دیدہ کہ از غمِ دہر اشکبار یافت
بر سر گرفت بیوہ زن و طفلِ بے پدر — آں دست را کہ سایۂ پروردگار یافت

بذل و عطا [illegible]

بخشائشِ تو [illegible] — قسمت ز خوانِ نعمتِ تو ہر دیار یافت
[illegible] — [illegible] یافت
[illegible] — [illegible] یافت
[illegible] — [illegible]

استقلالِ عزم

ہر مشکلے کہ در رہت آمد بہ آزموں — تا بید از تو رو کہ برہ کوہسار یافت
بہر کشودِ خیبرِ آلامِ روزگار — عزمِ تو تیغ گشت و دمِ ذوالفقار یافت

۱؎ Faithful Ally

دل ہمت از حیاتِ رسولِ امیں گرفت — جاں یاوری ز باطنِ ہشت و چہار[1] یافت

فروتنی و حلم

دید انکسارِ فقر و سرافرازیِ شہی — ہر کس بہ بارگاہِ جلالِ تو بار یافت

از بس کہ دید خیرِ تو در جزائے شر — خود را عدو ز کردۂ خود شرمسار یافت

ترغیبِ اہلِ فن

فکرِ سخن کنی پئے ترغیبِ اہلِ فن — دانی بر آں حیاتِ سخن انحصار یافت

حرفے کہ از لبِ تو بر آمد سخن شناس — شاداب تر ز سرِ لبِ جوئبار یافت

غواصِ فکرِ تو بہ محیطِ سخنوری — ہر گاہ غوطہ زد گہرِ آبدار یافت

جشنِ جلوسِ بست و پنج سالہ —

ایں بست و پنج سال ز عہدِ جلوسِ تو — توقیعِ یمن خیز ز پروردگار یافت

تقویمِ ایں زمانۂ عہد آفرینِ تو — ہر سالِ نو مبارک و میموں ز پار یافت

تحسین نمود و شکرِ تو بے شمار کرد — احسانِ تو چو خلقِ خدا بے شمار یافت

دستِ کرم کشت و کرم یافتہ کار کن — چوں کاخِ خلق بر کرمت تخصیص یافت

در جام ریز آں مئے صافی کہ دردمند — از رنج و درد غم شکن و غمگسار یافت

عرضِ حال و دعا

خواہم کہ آورم بہ پیش سخنوری — شعرے کہ حسبِ حالِ خود انکسار یافت

---

[1] ود زود ا م Encehr alrug 4

"فخرست از ثنائے توام گرچہ کلکِ من — دیرست از نوشتنِ اشعار عار یافت"

لیکن پے دعا و ثنایت دریں زماں — محوی مدد ز ہر طرف و ہر کنار یافت

شوقِ ثنا ز شاعرِ شیوا بیاں رسید — ذوقِ دعا ز عابدِ شب زندہ دار یافت

تا شد زبانِ او ز مدیحِ تو بہرہ ور — تحقیق چشمِ اہلِ نظر اعتبار یافت

عمرت دراز باد کہ در عہدِ امن تو
عالم امان ز گردشِ لیل و نہار یافت

نظم نشان (۲۲)

بہ تقریب جشن آزادی دو صد سالہ دولت آصفیہ قائم فرمودۂ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی سنہ ۱۳۴۲ھ

رنگہائے مختلف دورِ زماں می آورد　　گاہ می آرد بہار و گہ خزاں می آورد
زیں رباطِ کہنہ ہر دم قافلہ سالارِ دہر　　می برد یک کارواں یک کارواں می آورد

ورود سراپا مسعود حضرت آصف جاہ اول بدکن

تیرہ و تار است یکسر مطلع ہندوستاں　　شمع بہر راہبر و برقِ تپاں می آورد
بر مثالِ ابر آصف جاہ را بادِ شمال　　بر سرِ خاکِ دکن گوہر فشاں می آورد
یا کہ می آرد بہ ظلمت چشمۂ آبِ حیات　　یا کہ در ویرانہ گنجِ شائگاں می آورد
می نہد بنیادِ آں گلشن کہ ہر یک گلبنش　　آبروئے تازہ بر روئے جہاں می آورد
از دو صد سال ست کیں گلزار سعی آصفی　　ہم گل و ہم لالہ و ہم ارغواں می آورد
سوسنِ آزاد ایں گلزار سرتاپا بہار　　مژدۂ آزادی ایں دوماں می آورد
نو بہارِ عہد عثمانی ست کو با خویشتن　　دانشِ پیرانہ و بختِ جواں می آورد
می دمد روحِ رواں در قالبِ بے جانِ ملک　　شاہ گوئی از دمِ عیسیٰ نشاں می آورد
صد ہزاراں شکرِ یزداں را کہ شاہے چوں او　　دستگیرِ ملت آخر زماں می آورد

نیست پابندِ کسے در کار و بارِ مملکت — زانکہ خود در کارِ عقلِ کارداں می آورد
شاہ میداند کہ در عالم بجز اجرائے خیر — نیست تدبیرے کہ عمرِ جاوداں می آورد
می برد گر بندۂ را حاجتے در حضرتش — ہمتِ حاجت روایش شادماں می آورد
ہر کرا دستِ زمانہ تنگ می گیرد چو من — رو بسوئے قبلۂ ایں آستاں می آورد
غنچۂ اقبالِ او بادا شگفتہ تا نسیم — نکہتِ گلہائے تر از گلستاں می آورد

نظمِ نشان (۲۳)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک گزرانیدہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

شہے کہ خاطرِ خلقِ خدا نگہدارد — خداش از ہمہ رنج و بلا نگہدارد
بحقِ او ز ہمہ جانب ست صدق و صفا — کسے کہ جانبِ صدق و صفا نگہدارد
درین زمانہ کجا سرورے چو شاہِ دکن — کہ شان و شوکتِ تخت نیا نگہدارد
جز او کہ کرد تردد کہ ملک رفتہ ز دست[1] — دوبارہ گیرد و بہرِ شما نگہدارد
جز او کہ خواست کہ بیچارگانِ صحرا را — ز چیرہ دستیِ جور و جفا[2] نگہدارد
جز او کہ داد بہ خیلِ ملازماں رخصت[3] — کہ روزہ گیرد و فرضِ خدا نگہدارد

ـــــــــــــــــــ

[1] صوبہ برار کی واپسی کے لئے جو کوششیں اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی ظلہ العالی نے فرمائیں اور فرما رہے ہیں وہ تمام دنیا پر روشن ہیں اور انشاءاللہ ایک روز کامیاب ہو کر رہیں گے [2] دیہات سے بیگار لینے کا طریقہ جس سختی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں مسدود ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا [3] شدید گرمیوں کے مہینوں میں جب جب رمضان المبارک واقع ہوتا ہے تو دفتروں کو تعطیل دینے کا طریقہ بھی اعلیٰ حضرت ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے

جزاؤ کدام کہ با ایں تمام ناز و نعیم ۔۔۔ طریقِ زندگیِ اتقیا[1] نگہدارد
جزاؤ کدام کہ بعد از وفاتِ اہلِ وفا ۔۔۔ حقوقِ خدمتِ[2] اہلِ وفا نگہدارد
بدورِ قطبِ شہاں ہم کسے نبود چو شاہ ۔۔۔ کہ عز و حرمتِ[3] ماہِ عزا نگہدارد

ندیدہ دیدۂ بدبیں اگر محاسنِ تو ۔۔۔ شگفت نیست کہ اعمیٰ کجا نگہدارد
ہزار بندہ دہر بندہ را فراستِ تو ۔۔۔ بہ نہجِ خاص و بطرزِ جدا نگہدارد
خدا ترا ز وبال و نکال ہر دو سرا ۔۔۔ بحقِ خواجۂ ہر دو سرا نگہدارد
بر تبۂ تو بافزاید و ترا تا دیر ۔۔۔ بزیرِ سایۂ بالِ ہما نگہدارد
ہمیں بس ست پئے محوی دعا گوت ۔۔۔ کہ در دلِ تو بیک گوشہ جا نگہدارد
ہر آنچہ از زر و حکمت نگاہ نتواں داشت ۔۔۔ جبینِ سجدہ و دستِ دعا نگہدارد

[1] اعلیٰ حضرت کی اس سیدھی سادی زندگی کی طرف اشارہ ہے جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے [2] ملازموں کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے اہل و عیال کی پرورش جس طرح سرکار آصفیہ میں ہوتی ہے شاید ہی کسی دوسری سرکار میں ہوتی ہو [3] حیدرآباد محرم کے سوانگوں اور اسی قسم کی دوسری لغویات کے لئے سخت بدنام تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے عہد حکومت میں ان سب کو قطعاً موقوف فرما دیا۔ رضا شاہ پہلوی تاجدار ایران اس وقت جو کچھ ایران میں کر رہے ہیں وہ ہمارے اعلیٰ حضرت اس سے دس سال قبل کر چکے ہیں اور اس لحاظ سے اس معاملہ میں سب کے پیشرو اور ہادی ہیں۔

نظم نشان (۲۴)

بہ تقریب تہنیت عید قربان سنہ ۱۳۴۰ھ

شکر الطاف تو دانم کہ ادا نتوان کرد
چکنم عادت خود نیز رہا نتوان کرد

از ہمہ مدح و ثنا برتری و بالاتر
نتوان گفت مدیح تو ثنا نتوان کرد

رشتۂ شکر و ثنا گرچہ زکف رفت ، مگر
دست کوتاہ ز دامانِ دعا نتوان کرد

حسنِ اخلاق تو با حسنِ بیاں نتواں گفت
درکِ ادراکِ تو با عقلِ رسا نتوان کرد

ہر دو مبنی بصواب اند و مبرا ز خطا
فرق در حکم تو و حکمِ قضا نتوان کرد

بر در روزیِ مخلوق ندانم قفلے
کز کلید سرِ انگشت تو وا نتوان کرد

عقدۂ نیست کہ از ناخنِ تو نکشاید
حاجتے نیست کہ دستِ تو روا نتوان کرد

چارۂ دردِ دلِ خستہ صفاہا دارد
ترکِ ایں شیوۂ اربابِ صفا نتوان کرد

حاصلِ نامِ نکو زندگیِ جاوید ست
جز باین راہ تمنائے بقا نتوان کرد

بر تو پیداست ہمہ نیک و بدِ شعر و سخن
در حضورِ تو سخن بے سر و پا نتوان کرد

باد ترکیبِ وجودِ تو بعالم قائم
تا نم از آب بہ تحلیل جدا نتوان کرد

باد ہر عیدِ تو از عیدِ دگر فرخ تر
این دعائے ست کز ین ختمِ دعا نتوان کرد

بلبل شیفتہ داند کہ بگلبانگ مدیح
بحث با محوی آشفتہ نوا نتوان کرد

نظم نشان (۲۵)

بہ تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۴۲ ف

بایدہزار شکر خداوندگار کرد | کو از کمالِ فضل ترا شہریار کرد
بخشید ملک و مال، عطا کرد تاج و تخت | تدبیر و عقل داد، فزوں اعتبار کرد
بر ہر چہ جست ہمتِ تو اختیار داد | بر ہر چہ خواست خاطرِ تو کامگار کرد
ہم در جہانِ مجد و علا داد سروری | ہم در دیارِ علم و ہنر تاجدار کرد
عقلِ تو کرد باطل و حق را زہم جدا | رائے تو امتیاز یمین از یسار کرد
زور بر تو کرد بازوے انصاف را قوی | دستِ تو پائے دولت و دیں استوار کرد
فضلِ تو دستگیریِ ہر خستہ جاں نمود | لطفِ تو چارہ سازیِ ہر دل فگار کرد
کلکِ گہر فشانِ تو ہنگامِ فکرِ شعر | دامانِ نظم پر ز دُرِ شاہوار کرد
ہر نقطہ کہ از قلمِ عنبریں چکید | قرطاس بردو خالِ رُخِ روزگار کرد
از نامِ تو گرفت نشاں سرزمینِ ہند | وز گوہرِ تو خاکِ دکن افتخار کرد

زیں بیشتر ز خواجہ چہ خواہی کہ در جہاں | با بندگی نیابتِ پروردگار کرد
در شکرِ ایں کہ لطفِ خدا بے نہایت ست | لطف و کرم بخلقِ خدا بے شمار کرد
نقشے کہ بست تازہ تر و دل فریب بست | کارے کہ کرد نامور و یادگار کرد

صد بار شست اشک دغم ما ورانه خورد | یک بار گر بسان پدر گیر و دار کرد
فرماندهان حکومت تن آرزو کنند | او سروری بعالم جان اختیار کرد
شاهان زنند سکه بروئے طلا و سیم | او سکه زد بجان و روان ورد یار کرد
صید افگنان بدشت پراگنده او ز شهر | نارفته یک قدم دلِ عالم شکار کرد
از کارهائے بستهٔ ما صد گره کشاد | امسال شاه جشن گره یادگار کرد
جامِ سخن ز تلخیِ غم ناگوار بود | ذوق مدیح شاه دگر خوشگوار کرد
می خواست شوق سلسلهٔ مدح را دراز | آمد ادب اشاره سوئے اختصار کرد
محوی ز بندگانِ قدیم ست و عیب نیست | مدح و دعائے شاه اگر بار بار کرد

نظم نشان (۲۶)

بروزِ جشن سالگرهٔ مبارک گزرانیده شد ۱۳۳۶ف

بیکر ز پائے امید از عدم سر بر نزد | تا لب معجز نمایش دم بران جوہر نزد
شد ز فیضِ لطفِ او سرسبز تخمِ آرزو | آنکه تا یک عمر سر از پردهٔ اخگر نزد
یار چندیں سال فرمان روا در اقلیم دل | سکهٔ تسکیں مگر بر خاطرِ مضطر نزد
این دل راحت طلب ساکن نشد از اضطراب | تکیه تا بر آستانِ شاه جاں پرور نزد
حضرت عثمان علی خاں آنکه در تنظیم ملک | پیشِ رائے روشنش دم خیلِ هفت اختر نزد

ہمچو تو اے شاہ کس را دجہانبانی نداد — سکۂ نام نکو کس چوں تو در کشور نزد

محضرِ اقبال کس ننوشت جمہورِ قضا — تا فروغِ رائے تو مہرے براں محضر نزد

کشتیے نگذشت از دریائے طوفاں خیزِ ہند — در محیطِ فیض آصف جاہ تا لنگر نزد

کس ز بزمِ عشرت آبادِ دکن بیروں نرفت — از مے دیرینۂ مہر تو تا ساغر نزد

مے شناسی بے غل و غش قیمتِ ہر بندہ را — ہمچو تو جوہر شناسے بر محکِ ایں زر نزد

شعرِ رنگینِ تو کے آب از رخِ گلشن نبرد — نظمِ شیرینِ تو کے بر تودۂ شکر نزد

از مضامینِ بلندت چوں تواند گفت کس — طایرِ فکرِ تو با روح الامیں شہپر نزد

خواستی از مردمی بخت مرا بالا کشی — لیک آں از خستگی یک گام بالاتر نزد

خواستی تا دار رہائی بندہ را از قیدِ غم — لیک بختِ نارسا دم جز بشور و شر نزد

بندہ ات را آں چناں بگرفت گردابِ بلا — دست و پائے ہم دراں دریائے پہناور نزد

خواست تا نقشِ جبیں گیرد طراز از راستی — بندۂ بیچارہ بیجا سر بہ سنگِ در نزد

تشنۂ الطافِ تو در کربلائے نام و ننگ — مُرد و جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

آفریں بر ہمتِ مردانۂ محوی کہ او
"بہ درِ نکشودہ ساکن شد، درِ دیگر نزد"

نظم نشان (۲۷)

تہنیت عید الفطر ۱۳۴۳ھ

از عشق مردِ پاک گہر پاک تر شود — ہر آں خزف کہ در صدف[1] آید گہر شود
پیغمبری ز عشق بود، داوری ز عشق — در ہر طریق عشق ترا راہبر شود
عشق ہست اصل "جذب" کہ بنیادِ عالم ست — ہر چند رو شناس بنامِ دگر شود
بے تار و پود جاذبہ یعنی نسیجِ عشق — ابرہ نہ آسماں نہ زمیں آستر شود
عشق ست کار سازِ دو عالم مگر بعشق — ہر با خبر ز ہر دو جہاں بے خبر شود
در جامِ عشق جرعۂ از حسنِ یار ریز — تا نشہ ز امتزاج دو مے بیشتر شود
روشن شود ز پرتوِ حسنش جہانِ جاں — کاخِ دماغ منزلِ شمس و قمر شود
زلفش گلو بگیر و ببند و زبانِ شوق — تر کانشِ در جگر خلد و نیشتر شود
ذکرش کنی ز ذکر شود قلب مطمئن — تا مش بری ز نام دہاں پُر شکر شود
تنہا نہ کعبہ است نظرگاہِ عاشقاں — ہر جا کہ اوست قبلۂ اہلِ نظر شود
خواہم کہ ایں حدیث پُر از نکتہ ہائے نغز — دیباچۂ مدیح سرشۂ نکتہ ور شود

---

[1] ابر نیساں کے قطروں سے موتیوں کا بننا ایک پرانا افسانہ ہے۔ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کنکر یا ذرات جو غذا کے ساتھ سیپیوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں ان پر تہ بہ تہ ایک قسم کا مادہ جمتا جاتا ہے اور وہی موتی کہلاتے ہیں ؎

شاهِ زمانه حضرت عثمان که همچو او — کم در میانِ تاجوران تاجور شود
آن عادلے که در کنفِ اعتدالِ او — بالد بخویش داد و ستم مختصر شود
لطفش بدل نشیند و دل را دهد سکون — لطفش بجان در آید و غم را سپر شود
با ذهنِ او نه بادِ صبا همسری کند — با فکرِ او نه برقِ تپان هم سفر شود
آن سرپرستِ علم و هنر کز سخاوتش — ز و دستِ ملک مرکزِ علم و هنر شود
چون کیمیائے علم و هنر شد نصیبِ ملک — سنگش تمام سیم شود، خاک زر شود
سیم و زر است مایۂ تنظیمِ مملکت — بے مایہ ملک مصدرِ صد شور و شر شود
نازد بخویش مادرِ گیتی که زاده است — چون او پسر که خلقِ خدا را پدر شود

شاها! ز عرضِ مدح عنان می‌کشم ز نطق — تا درگر بامکارمِ تو بے سپر شود
یزدان چو کرده است ترا پاسبانِ ملک — باید ز اهلِ جورِ جهان بے خطر شود
خیر البشر ز جملۂ خیر الامم همان است — کو چاره ساز امتِ خیر البشر شود
شاید به آبیاری سعیِ تو این شجر — بارِ دگر شگوفه کند، بارور شود
نشنیدۂ که در کفِ مردانِ کاردان — از جد و جهد خاکِ سیه کانِ زر شود
گوینده می‌شود ز سخن شاه نامدار — من معتقد ز شاه سخن نامور شود
جا دارد از طفیلِ مدیحِ تو گفته ام — از خاوران برآید و تا باختر شود
مدحِ تو معتبر بود از من که گفته اند — چندان که مرد پیر شود معتبر شود

از خاطرِ شکستۂ محوی دعائے تو
بایدکہ چوں دعائے سحر با اثر شود

یارب مدام در چمنستانِ عز و جاہ
آید بہار و لالہ و گل جلوہ گر شود

منصور باد رایتِ عزمِ تو بر مراد
وین عید پیش خیمۂ فتح و ظفر شود

نظم نشان (۲۸)

کہ بجشن سال گرہ مبارک گزرانیدہ شد بہمن ۱۳۲۵ف

صبا نقاب چو از عارضِ بہار کشد
زمیں زلالہ و گل چتر زرنگار کشد

نہد چو شاہدِ گل پا بجلوہ گاہِ جمال
ہزار نعرۂ مستانہ صد ہزار کشد

نسیم نرم و خنک دم زند بوقت سحر
چو آہ سرد کہ عاشق بیادِ یار کشد

گہے بروے فلک ابر بر زند چادر
گہے بروے زمیں فرشِ سبزہ زار کشد

ز فرط نشو و نما شاخ و گل رسند بہم
چو لالہ سر کشد از خاک دوستا جدار کشد

زہے روانیِ طبع رواں کہ از یک حرف
سخن زصحن گلستاں بشہریار کشد

خدیوِ ملکِ دکن، پادشاہ علم و ہنر
ہر آنکہ علم و ہنر را ز ہر دیار کشد

بہ کارہائے سترگ و ستودہ خطِ غلط
بہ کارنامۂ شاہانِ روزگار کشد

رعایت ست و سیاست کہ زیر دست قوی
عنانِ ابلقِ ایام شہسوار کشد

رعایت ست رعایت کہ گلہ را چوپان
بیک صدائے محبت زہر کنار کشد

سیاست ست سیاست کہ ساربان تنہا
ہزار ناقۂ سرکش بیک مہار کشد

ہزار بوسہ براں دستِ خیر باید زد
کہ خارِ غم زکفِ پائے دل فگار کشد

فدائے ہمتِ رادے کہ باہمہ بخشش
خجالت از رخِ مسکینِ شرمسار کشد

خوش ست دیدہ دری کو غبارِ حادثہ را
بجائے سرمہ بچشمانِ اعتبار کشد

کجاست آں گلِ رعنائے گلشنِ خوبی
کہ ناز بلبلِ شیدائے بے قرار کشد

ہزار شکر خدا را کہ شہسوارِ دکن
کمانِ نظمِ ممالک بایں قرار کشد

شمیمِ خلقِ عمیمش ہمے کشد دلِ خلق
چو بوئے میوہ کہ مرغانِ میوہ خوار کشد

دہند داد بعہدش، مباد مظلومے
ز دردِ نالہ و آہِ شرارہ بار کشد

امید زوست بدلہا، وگرنہ خلقِ خدا
چہ جورہا ز دلِ ناامیدوار کشد

ز طعنہائے رقیباں چہ ساں شود ایمن
عروسِ ملک ہر آنکس کہ در کنار کشد

عجب مدار اگر محویِ کشادہ زباں
نوائے مدحتِ شاہانہ بار بار کشد

بحضرتش سخنِ کامل العیار بیار
کہ او سر از سخنِ ناقص العیار کشد

بقولِ حضرتِ غالب سخن دراز مکن
"کہ چرخ کینہ ز مردِ سخن گزار کشد"

دعائے خلق حصارست شاہ ما نیست
بگردِ خویش اگر زیں دعا حصار کشد

خدا بہ شاہ دہد عمر و دولت و اقبال
کہ بہرِ راحتِ ما رنجِ بے شمار کشد

نظم نشان (۲۹)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۶ ف

شب دلم جلوہ گہ حسن دل آرائے تو بود
دیدہ حیرت زدہ و محو تماشائے تو بود

دل سراسر ہوس بادۂ دیدار تو داشت
چشم لبریز ز سر جوش تمنائے تو بود

صید وحشت شدہ در دام محبت افتاد
دل کہ برہم زدۂ زلف چلیپائے تو بود

عقل ما برہمی سنبل پیچان تو داشت
مستی ما ہمہ از نرگس شہلائے تو بود

سر سودا زدہ را چوں نہ گرامی دارم
ایں ہمانست کہ یک عمر بسودائے تو بود

آمد و رفت نفس، جنبش دل، گردش خوں
تا رواں بود بہ تن شورش و غوغائے تو بود

کعبہ از یاد برون رفت و کلیسا ز خیال
سالہا سجدہ گہم نقش کف پائے تو بود

زحمت جور رقیباں ہمہ راحت گردید
چوں یقیں گشت کہ آں جور بایمائے تو بود

واللہ چشم من از نشۂ حیرت شاہا
چشم لطف تو گر شامل صہبائے تو بود

فال اقبال گرفتیم کہ از عہد صبا
اختر سعد درخشندہ بہ سیمائے تو بود

پاس اسلام، نگہبانی دیں، نشر علوم
ایں ہمہ کار کہ کردند بایمائے تو بود

قوم از وادی دشوار چہ آساں بگذشت
رہبر قافلہ چوں ہمت والائے تو بود

قسمت غیر نگردند کہ از روز ازل
خلعت پادشہی راست ببالائے تو بود

نہ غلط بود ز تو چشمِ کرم وا شتنم | زانکہ از اہل کرم مبدأ و منشاے تو بود
نتشدم حاضرِ میخانۂ عشرت دی شب | محتسب مانع ایں عیش بہ فتواے تو بود
فرصتِ مدحت شائستہ دریں جشن نیافت[1] | محوی خستہ کہ مصروف دعا ہاے تو بود

نظم نشان (۳۰)

بہ تہنیت عید اضحی ۱۳۳۸ھ

آمد بہار نکہتِ گل با صبا رسید | بگذشت شامِ غم، سحرِ جاں فزا رسید
از غنچہ کرد دم بہ ہواے بہار زد | در مغزِ جاں شمیم دمِ آشنا رسید
شاخِ برہنہ را ز خداوند نو بہار | از برگ و غنچہ ہم کلہ و ہم قبا رسید
آوردہ است باز صبا خاک کوے دوست | اے چشم شوق مژدہ ترا توتیا رسید
درمانِ بے قراریِ دل ترکِ عشق نیست | کردیم ایں علاج و بما دردہا رسید
سرمایہ بخشِ ناز تو آمد نیاز ما | ایں شاہ را متاعِ تہی از گدا رسید
بوا ردہواۓ مسندِ جم بوریا نشیں | زیں غصہ صد شکن بجبیں بوریا رسید

[1] جشن سال گرہ مبارک کے کارڈ کو تاہی سے تقسیم ہوتے تھے۔ اس سال کا کارڈ مجھے نہیں ملا۔ اسی کی طرف اشارہ ہو

منصور[1] را شماتتِ صد دشمناں نداد	دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید
انساں گذاشت بلبل و پروانہ برگرفت	پستی نگر کہ عشق بایں انتہا رسید
تا بے رود زبیعتِ پیرِ مغاں رسید	از پائے خم بجامِ تہی ایں ندا رسید
ایں بحرِ خوں کہ می رود از ناودانِ چشم	در حیرتم کہ در دلِ تنگ از کجا رسید
اندیشۂ کدورتِ دیر و حرم نماند	آں زا کہ پائے سعی بحدِ صفا رسید
مردے کہ پا بعرصۂ حسنِ عمل نہاد	چوں پادشاہِ با صفتِ اتقیا رسید
آں آصفِ زمانہ کہ نامِ نکوے او	چوں آفتاب نور فشاں جابجا رسید
وقتیکہ او بہ مسندِ دولت نہاد پا	آمد ندا کہ صاحبِ تاج و لوا رسید
بس غنچہ ہا بگلشنِ آزادگی شگفت	بس گلبنِ فسردہ بہ برگ و نوا رسید
آمد مسیح و زنفسِ جاں فزائے او	صد تازگی بہ رسم و رہِ مصطفےٰ رسید
شاہا بوصفِ تو چہ سرایم کہ در دماغ	بیروں زحدِ نطق و بیاں نکتہ ہا رسید
باغِ ہنر ز دیر خراب او فتادہ بود	از آبیارئ تو بہ نشو و نما رسید
شد خاک بہرہ مند ز ہر جنس علم و فن	ز دستِ تو ہم نسخۂ ایں کیمیا رسید

[1] منصور حلاج، مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں "انا الحق" اور اسی طرح کے دوسرے کلمات کے کہنے پر گرفتار، قید اور قتل کیے گئے۔ قید کے زمانہ میں لوگ آتے اور خلافِ شرع کلمات کے کہنے پر انہیں ملامت کرتے تھے۔ مگر وہ ہنس ہنس کر ان کو سنتے تھے۔ اسی زمانے کے ایک صوفی شیخ عبداللہ خفیف نے بھی اسی قسم کی باتیں کہیں انھیں سنکر منصور نے ایک آہ کی اور رو دیے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا کہا دوسرے لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ لاعلمی سے کہتے ہیں مگر ان حضرت کا جانی بوجھ کر ایسا کہنا قیامت ہے

از مدحِ روشنِ تو بایں تیرگیِ بخت — آئینۂ طبیعتِ ما را جلا رسید
محوی سخن دراز مکن در مدیحِ شاہ — دستے برآر نوبتِ عرضِ دعا رسید
عمرت دراز باد کہ از دستِ فیضِ تو — تائیدہا بہ محویِ بے دست و پا رسید

نظم نشان (۳۱)

در تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۳۹ف

زما مپرس چہ ساقی بساغرِ ما داد — شرابِ ناب ز خمخانۂ تولّا داد
چہ سرکشی ز اطاعت کہ دستِ روزِ نخست — طرازِ بندگیِ خویشتن بسیما داد
اسیرِ کاکلِ آں لیلیٰم کہ مجنوں را — گرفت پائے بزنجیر و سر بصحرا داد
شہیدِ شیوۂ آں ترکِ پُرفنم کہ مرا — ز دوستاں بگرفت و بدستِ اعدا داد
جمالِ او نگر و ہم حدیثِ او بشنو — ہر آنکہ گوشِ نواسنج و چشمِ بینا داد

نشانِ عزت و ثروت مجو بنادانی — زمانہ ایں ہمہ دولت کنوں بدانا داد
نشد اسیرِ ہوا و ہوس دلِ پاکاں — چو یوسفے کہ نہ تن در برِ زلیخا داد
سبک گزشت سرِ آں مردِ عاقبت اندیش — کہ ہر چہ یافت ز دنیا بہ اہلِ دنیا داد
بمدحِ شاہِ سخن سر کن ایں چہ تمہید است — ترا کہ رائے بہ تشبیبِ بے سر و پا داد

کفِ کریم و دلِ راد و عقلِ دانا داد
بشاہ ہر چہ خدا داد خوب و زیبا داد

نظر دقیق، قدم استوار، جاں روشن | بنانِ عقدہ کشا، بازوئے توانا داد
فنونِ مشرق و مغرب، علومِ حکومت و دیں | شعورِ نظم و نسق، با شعارِ تقویٰ داد
شکوہ و سطوتِ شاہی، خلوصِ درویشی | غرضکہ دولتِ دین و نعیمِ دنیا داد
خدا چہ داد بہ او ایں ہمہ کنوں بنگر | کہ او براہِ مروّت ازاں چہا را داد
اگر بدیدۂ انصاف بنگری بینی | کہ دادِ خلقِ خدا داد بے محابا داد
زرِ خطیر پے کارِ خیر خاصہ علوم | بطیبِ خاطر و بے عذر و بے تقاضا داد
سہ صد کتابِ علومِ جدید را[1] حکمش | لباسِ فاخرۂ اردوئے معلّیٰ داد
دمیدہ زندگیِ نو بہ تابِ اردو | نشانِ معجزہ ہائے دمِ مسیحا داد
ز دشتِ جہل بروں برد ملتِ ما را | تمیزِ ہمتِ احمد ز عزمِ موسیٰ داد
ز رائے مملکت آرائے خویش و رسمِ ملک | طرازِ صحنِ گلستاں بہ دشت و صحرا داد
ز حسن و خوبیِ اخلاقِ او بہ نسبتِ نظر | ہمہ بہ ہر کہ دلِ صاف و چشمِ بینا داد
بہ ہر دعا کہ برآمد برائے او از دل | اجابت از درِ عظمت بہ پاسخش جا داد

دلِ فسردۂ محوی ز شاہِ دریا دل
اگرچہ قطرہ طلب کردہ بود دریا داد

---

[1] دار الترجمہ کی کارگزاری کی طرف اشارہ ہے

نظم نشان (۳۲)

بہ تقریبِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بدہلی ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء

میرے کرم فرما خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جو ریاست ہذا اور اعلیٰ حضرت کے مخلص خیرخواہ ہیں یہ اشتہار دیا تھا کہ "حضور نظام کی دہلی تشریف آوری کے متعلق جس کی فارسی نظم سب سے بہتر قرار پائے گی اسے تمغہ اور جو نظم اس کے بعد ہوگی اسے ایک اشرفی بطور انعام دی جائے گی"۔ یہ اشتہار دیکھ کر مکرمی و محبی مولوی میرزا ظم علی صاحب وکیل عدالت عالیہ سرکار عالی مصر ہوئے کہ میں بھی اس مسابقت میں جو تمام ہندوستان کے شعرا کے لئے ہے شریک ہوں۔ آن کے اصرار پر میں نے مندرجہ ذیل سات شعر لکھ کر بھیج دئے تھے اور خواجہ صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ اگر میرے اشعار کسی انعام کے قابل قرار پائیں تو وہ رقم تبلیغ میں لے لی جائے میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ چند روز بعد خواجہ صاحب موصوف کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جن مبصران فن کی انجمن انتخاب کے لئے مقرر ہوئی تھی اس نے میرے اشعار کو دوسرے نمبر پر رکھا۔ اس لئے خواجہ صاحب ممدوح نے مجھے ایک اشرفی بھیج دی جو میں نے اسی قدر مزید رقم کے ساتھ تبلیغ کے چندہ کے نام سے واپس کر دی۔ جس نظم کو درجہ اوّل دیا گیا تھا وہ افسوس اس وقت دستیاب نہ ہو سکی ورنہ وہ بھی ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی

صدائے خندۂ گل باز از گلزار می آید — مگر فصل بہار امسال دیگر بار می آید

منال اے ملک، عہدِ دردِ ہجراں می شود آخر — ببال اے قوم، وقتِ دولتِ بیدار می آید

نمی دانم کہ می آید، باین اندازِ دلداری — کہ بانگِ خیر مقدم از در و دیوار می آید

نگہبانِ رعایا، پاسبانِ حقِ ہر ملت — امیرِ دادگر، سر حلقۂ احرار می آید
نظام الملک سرِ عثمان علی خاں آصفِ ہفتم — سرِ خاکِ وطن[1] چوں ابرِ دریا بار می آید
ز جودِ بے نہایت می کند شاہِ دکن آساں — مہاں کارے کہ بر اہلِ جہاں دشوار می آید
برائے کاروانِ خستہ تن، گم کردہ رہ محویؔ — بحمد اللہ کہ اینک کارواں سالار می آید

نظم نشان (۳۳)

بہ تہنیت سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۲۹ھ مطابق سنہ ۱۳۴۰ ف

مژدۂ فصلِ بہاراں می رسد — موکبِ گل در گلستاں می رسد
تا فشاند بر سرِ شہ، ہر شجر — غنچہ در کفِ گل بداماں می رسد
حضرتِ عثماں علی خاں را ز غیب — دمبدم تائیدِ یزداں می رسد
نکہتِ اخلاقِ او نزدیک و دور — مشک بار و عنبر افشاں می رسد
جودِ بے پایانِ او بر خشک و تر — ہمچو فیضِ ابرِ نیساں می رسد
می رسد فرتابِ نامِ نیکِ او — ہر کجا خورشیدِ تاباں می رسد
از کمالِ فضلِ او ہر بے نوا — تا دمِ آب و لبِ ناں می رسد
شہرۂ عزمِ معارف پرورش — تا دیارِ روم و یوناں می رسد
گفتۂ سنجیدہ اش، مثلِ مثل — بر زبانِ ہر سخنداں می رسد
جشنِ میلادِ شہِ والا گہر — با ہزاراں ساز و ساماں می رسد

[1] ہندوستان میں آصف جاہی خاندان کا ابتدائی وطن دہلی ہے، چنانچہ اس وقت تک غازی الدین خاں کا مدرسہ اور نظام الملک کا کٹرہ اس کے شاہد ہیں

باب عیش زندگی وا کردہ اند | راحت از سر در دل و جاں می رسد
بادہ در جوش ست و ساقی مہرباں | دورِ ساغر تا بہ رنداں می رسد
تحفۂ اخلاص و نذرِ بندگی | از ہمہ ارکان و اعیاں می رسد
بلبلِ مدحت سرائے شاہ نیز | بالنواہائے پریشاں می رسد
می کشد مستانہ گلبانگِ دعا | کاں باوجِ عرش رحماں می رسد
می رسد از غیب الہامے کہ شاہ | بر مرادِ خویش الآں می رسد
دوستاں را فرّدۂ فتح و ظفر | دشمناں را در و خذلاں می رسد

بر دعائے از دیادِ عمرِ شاہ | نامۂ محوی بپایاں می رسد

نظم نشان (۳۴)

بہ تہنیت عید سنہ ۱۳۴۱ف

سروشِ ناطقہ تائید مہرباں فرمود | چو شاہ قدرِ عزیزانِ نکتہ داں فرمود
شہے کہ سایۂ او را خدائے عزوجل | بفرقِ عالمِ اسلام سائباں فرمود
چہ بزمہا کہ نہ آراست بہرِ علم و ہنر | چہ کاخ جہل و ضلالت نہ ایگاں فرمود
ہر آنچہ گفت بہ اندازِ پیرِ دانا گفت | ہر آنچہ کرد بہ اندازِ نوجواں فرمود
بشرق و غرب و جنوب و شمال و ہند و دکن | ہزار چشمۂ جود و سخا رواں فرمود

لہ یہاں "فرزد" کے معنی "گرد" کے ہیں جیسا کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک قصیدہ میں جو اسی بحر میں ہے ارشاد فرمایا ہے

ز فکرِ عالی شاہِ زماں چہ می پرسی | زمینِ شعر و سخن را نہ آسماں فرمود
ندا شتند کسانے کہ ساز و برگِ نمد | بحق شاں ہمہ دیبا و پرنیاں فرمود
بہ آبیاری ابرِ بہارِ فیضِ عمیم | زمینِ تف زدہ را رشکِ گلستاں فرمود

بشکرِ نعمت و تقدیمِ تہنیت محوی | مدیح گفت و دعاے خدائگاں فرمود

نظم نشان (۳۵)

بہ تہنیتِ جشنِ سالگرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار سنہ ۱۳۴۲ ف

بقید ہفت بیت

ع "خطِ رخسارِ تو رشکِ گل و ریحاں گردید"

بادِ نوروز بایں مژدہ بگیہاں گردید | کہ دمن گشت چمن، دشت گلستاں گردید
بہر آرائشِ خوبانِ دل آرائے چمن | مشک آورد صبا، ابر درافشاں گردید
مستیِ بادہ عیاں گشت ز ہر موجِ نسیم | کارِ رندانِ قدح خوار بساماں گردید
بوئے گل در طرب انگیزی و عشرت زائی | ہمچو خوئے شہ عثمان علی خاں گردید
آنکہ از پیرویِ شیوۂ آصف جاہی | در خورِ سروریِ گبر و مسلماں گردید
شہریارے کہ بدورانِ بہارِ عدلش | جور، چوں برگِ خزاں دیدہ پریشاں گردید
دیدیک خلق دعاگوئے شہِ ذی شانست | محویِ خستہ دعا کرد و ز ایشاں گردید

نظم نشان (٣٦)

در تہنیت عید ۱۳۴۳ ف

بہار آمد و خوش آمد و صفا آورد — نسیم بوئے گل آورد و جاں فزا آورد
ز ژالہ ابر فرو ریخت گوہرِ نایاب — ز لالہ نامیہ لعلِ گراں بہا آورد
ز دستۂ گل و نسرین و نسترن شادم — کہ یادِ صحبتِ یارانِ باصفا آورد
فدائے زلفِ درازے شوم کہ پیچ و خمش — بلا بجانِ جوانانِ پارسا آورد
اگر نہ در تہِ آں کیف چشمِ ساقی بود — شراب ایں ہمہ کیفیت از کجا آورد
دریں بہارِ نشاط آفرین و توبہ شکن — صباح عید دمید و نشاطہا آورد
خطیب رفت برسمِ قدیم بر منبر — دعا سرود و بلب نام پادشا آورد
نظامِ ملت و دیں آنکہ جانِ پاکش را — خدا بہ تقویتِ دینِ مصطفےٰ آورد
بلند مرتبہ شاہے کہ قلبِ روشنِ او — شکستِ فاش بجامِ جہاں نما آورد
نہ دایۂ بجہاں ایں چنیں پسر پرورد — نہ مایۂ بجہاں ایں چنیں بہا آورد
صحیفۂ نہ چنیں نقشِ دل فریب نگاشت — حدیقۂ نہ چنیں سروِ خوش نما آورد
کشادہ است ز عقل و خرد بروئے جہاں — خزائنے کہ ز درگاہِ کبریا آورد
زمانہ باہمہ قحط الرجال در اسلام — بحیرتم کہ چنیں خواجہ از کجا آورد
شہا، حدیثِ کمالِ تو ہر کسے کہ شنید — بلب ترانۂ "روحی لک الفدا" آورد

توئی که ملک ز تو چشمِ مرحمت دارد — توئی که قوم به جودِ تو التجا آورد
دلِ شکستهٔ محزونِ غم زکار بستهٔ که شاه — دلِ کشاده و دستِ گره کشا آورد
بمدحِ شاه مشو از دعاے او غافل — هزار نعمتِ عالم که یک دعا آورد
هزار سال بزی با نوا که یزدانت — به چاره سازیِ مردانِ بے نوا آورد
قبول باد که با کم بضاعتی محوی — برائے نذرِ تو نظمِ گران بها آورد

نظم نشان (۳۷)

مشاعره سر مهاراجه بهادر یمین السلطنت به تقریب سال گره مبارک ۱۳۵۲ھ

شورشِ عشق نه تنها دلِ انساں دارد — هم دلِ سنگ نهاں آتشِ سوزاں دارد
زخمیِ ناوکِ مژگانِ حیا آلوده — دردِ پوشیده بدل، زخمِ نمایاں دارد
تو بیک عشوهٔ کمتر، دل و جاں باختهٔ — یار زیں غبنِ دل آویز فراواں دارد
حسن را طنطنهٔ ناز برد محمله نشیں — عشق را زمزمهٔ شوق حدی خواں دارد
لذتِ عشق نه خاص ست پئے عاشقِ زار — بوالهوس نیز بقدرِ لب و دنداں دارد
بهرِ ناشاد دلم، در شبِ تاریکِ فراق — داغِ دل حکمِ چراغِ تهِ داماں دارد
می کنم طے رهِ عشقِ تو باُمیدِ وصال — مور بنگر که سرِ ملکِ سلیماں دارد
بکشائیم نظرِ شوق بدیدارِ جهاں — تا مرا آئینهٔ روئے تو حیراں دارد
نشود قطع ز ما سلسلهٔ مهر و وفا — تا سرِ زلفِ تو ایں سلسله جنباں دارد

جانبِ حسنِ تو گیرم، اگر آں فتنۂ دہر   با مہ و مہر ترا دست و گریباں دارد
گم کنم راہ بزلفِ تو، اگر حسنِ سلوک   در رہِ من نہ چراغِ رخِ تاباں دارد
می دہد یارِ مرا مشغلۂ نالہ بہ ہجر   تا باین مشغلہ دشوارِ من آساں دارد
حرمتِ لالہ ازانست کہ آں سوختہ جاں   قطرۂ چند زخونناب شہیداں دارد
آنکہ شورے بسرِ گبر و مسلماں انداخت   نہ سرِ گبر و نہ پروائے مسلماں دارد
بردمِ تیغ ہر آں قوم کہ دی رفت بسر   خطر امروز نہ ز ہر خارِ مغیلاں دارد
دفترِ شعرِ سخنور نہ شود کاغذِ زر   تا نہ امضائے مہاراجہ بعنواں دارد
در امانست ز ہر کیدِ حریفاں محوی   تا بسرسایۂ عثمان علی خاں دارد

نظم نشان (۳۷ الف)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ ۱۳۵۵ھ

ع "چمن مماثلِ صد کشت زعفرانی بود"

دمیکہ دولتِ اسلام در جوانی بود   زمیں مطیع بتائیدِ آسمانی بود
بیک نسیمِ عطوفت بہار ہا بشگفت   بہ گلشنے کہ ز سرتا بپا خزانی بود
بیک کرشمہ شبان گشت پاسبانِ دیار   اگر چہ در شبانی ز پاسبانی بود
خجل ز سطوتِ آزادگانِ خاک نشیں   شکوہ قیصری و شوکتِ کیانی بود

بیک فسون کہ جوانے بگوش قوم دمید — چہ زن چہ مرد ہمہ گرد سیستانی بود
ز مرگ رہ و نہ کشیدند بہر آزادی — بایں عقیدہ کہ این مرگ زندگانی بود
نکردہ ضبط اصول بیان و معنی را — زبان کشادہ و گفتار در روانی بود
متاع خانۂ این مفلسان دریا دل — ہمیشہ وقف بہ مہمان و میزبانی بود
بدور اول مستان بادۂ توحید — نہ بود رنج خمار و نہ سرگرانی بود
بقول پیر مغان واقف عیان و نہان — بہم دگر ہمگی لطف و مہربانی بود
بیک حدیث مواخاۃ از میاں برخاست — نزاع فخر کہ دیرین خاندانی بود
مہار اسود و اخضر بیک قطار کشید — چو قوم ماہر اسرار ساربانی بود
نکرد ہیچ تفاوت میانِ سرخ و سفید — نہ امتیاز بہ تازی و ترکمانی بود
ہزار جامۂ سوفسطہ ہائے عیاراں — بیک شعاع ز ماہِ یقیں کتانی بود
بیک نگاہ چناں مست شد کہ ریخت بخاک — ہر آنچہ در خم ساقی مئے مغانی بود
بہ کارنامۂ ایشاں کشید دستِ قضا — ہزار نقش کہ زاں داغ جان مانی بود

چو اعتصام بحبل المتین شرع نماند — ہبوط قوم بہ پستی و ناتوانی بود
خدا چو رفت ز دل ہرچہ بود رفت ز دست — کہ ہرچہ بود طفیل خدائے دانی بود
بہ ہند ہم بسزائے ہمان خطا درہم — عروج اکبری و امن شاجہانی بود
نہ بود تاج بسر نے سریر زیر قدم — بدست تیغ نہ ہندی نہ اصفہانی بود

نماند عظمتِ میری، نہ کبر مرزائی
تمام ترکی ترکان و شانِ خانی بود

فدائے قول حکیمے کہ گفت در دنیا
سوائے نامِ خدا ہر چہ بود فانی بود

مپرس از چہ فنا را گماشت بر دنیا
کسے کہ خود ہمہ دنیا و جاودانی بود

بقاش باد کہ شہ یادگار جاوید ست
ز شان و شوکتِ سلامیان کہ آنی بود

جناب آصفِ ہفتم کہ در جہانبانی
نہ ہست ہیچ نظیرش نہ ہیچ ثانی بود

عنانِ حکم سپردند در کف رادش
کہ او ز روز ازل بہرِ حکمرانی بود

ز آبِ بخششِ او گشت تازہ و سرسبز
رخے کہ از غم و ہم خشک و زعفرانی بود

نداشتند کسانے کہ دسترس بہ نمد
لباسِ شان ز عطا ہاش پرنیانی بود

بگرد ہر کہ خطِ حفظِ او کشید حصار
بہ امن و عافیت از گردشِ زمانی بود

سزائے عاجلۂ منکرانِ طاعتِ او
عذابِ امئی و مرگِ ناگہانی بود

چو پیش بینی او بنگری بدل گوئی
مگر کشادہ براو بابِ غیب دانی بود

چو بشنوی سخنِ او یقین کنی کہ ہمیں
شعار انوری و شیوۂ فغانی بود

بگوش نغمہ شناساں صریرِ خامۂ او
نوائے باربد و لحن خسروانی بود

علاجِ علتِ بد ذوقیِ سخن گویاں
کشادنش در گنجینۂ معانی بود

چہ گفتہ اند کہ "خیر الامور اوسطہا"
مدام رفت بہ راہے کہ درمیانی بود

بجز یہ ہیچ شہِ دیں پناہ ما نگرفت
بجز دعا کہ خراجِ نگاہبانی بود

ہمیں دعائے تو شاہا دراں بہ نطق آورد | زد یر ورنہ مرا نطق رائگانی بود
شراب مدح کہ فکرم ز شیشۂ دل ریخت | برنگ و بو ہمہ مشکی و ارغوانی بود
ازیں شراب بایں رنگ و بو نہ مست شدن | قصور ذوقِ حریفانِ دوستگانی[1] بود
خدا دراز کند عمرِ تو کہ محوی را | بسایۂ تو فراغ از غمِ نہانی بود

نظم نشان (۳۸)

بہ تقریب سال گرہ مبارک ۱۳۴۱ھ

کارم ز بیشتر شدہ بار گرو ساز تر | لطفت ز خلق کرد مرا بے نیاز تر
ہر لطفِ تو ز لطفِ دگر دلربا ترست | ہر فضلِ تو ز فضلِ دگر جاں نواز تر
دلہائے خلق می برد دیگرے برد | چوں خُلق تو ندیدہ جہاں یکّہ تاز تر
آنجا کہ پیابِ فکرِ حکیماں نمی رسد | فکرِ تو می زند قدمے زاں فراز تر
جز چشمِ حق نمائے تو چشمے ندیدہ اند | با نور، با بصیرت و با امتیاز تر
در بزم گاہِ جوہریانِ سخن شناس | چشمِ فلک ندیدہ نہ تو دیدہ باز تر
باید شنید قصۂ من از زبانِ من | می سنجم ایں نوا ز عدو دل گداز تر
در عرصۂ سپاس نہ بینی سخنورے | از محوی فتادہ زپا سرفراز تر
سر برنہ زد ز سجدہ، نہ دست از دعا کشید | سجادہ تا ز اشک نشد در نماز تر

[1] دوستگانی وہ شراب ہے جو دوست باہم بیٹھکر پیتے یا دوستوں کو بھیجتے ہیں

عمرِ درازمی طلبد بہرِ شاہ خویش | از کاکلِ کشیدۂ خوباں دراز تر
محوی بکارِ خویش مکن فکر و شاد باش | شاہ است کارساز و خدا کارساز تر

اس نظم کو شرفِ سماعت عطا فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر قافیہ پاک و تاک ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ دوسرے دن فدوی نے اشعار ذیل پیشگاہ والا میں عرض کئے

ہرست تابناک و رخت تابناک تر | جانِ تو صاف و پاک و دلت صاف و پاک تر
جستند در احاطۂ امکاں نیافتند | در راہِ حق ز رائے تو بے ترس و باک تر
از خلق دلربائے تو خلقے ندیدہ اند | با لطف و با مروت و ہم با تپاک تر
ساقی بایں امید رسیدم بمیکدہ | شاید شود گلوئے من از آب تاک تر
اے آنکہ آفتابی و تابی بروئے خلق | بر بندہ نیز تاب و دے تابناک تر
بادا نسیمِ فیضِ تو برخشک و تر رواں | از آب تا نہ خشک شود تشنہ زخاک تر
محوی سخن زحالِ دلِ دردمندِ خویش | بادا دا نمود ازیں دردناک تر

نظم نشان (۳۹)

بذکر ورود فرمان شاہی بہ تنبیہ ملازمین سرکار بغرض اجرائے کار دولت بہ مستعدی و توجہ تمام ۱۳۳۴ ف

زجر تو گر دم مسیح ست | در ملک دمید جاں دگر بار
ہر مست ز بادہ کرد توبہ | ہر خفتہ ز خواب گشت بیدار

برخاست زجا و دست و پا زد — آں مرد کہ بود نقش دیوار
ہر خادمِ کشور ست در شغل — ہر عاملِ دولت ست در کار
از نقش و نگارِ کلکِ رنگیں — ہر صفحۂ کاغذ ست گلزار
از حکمِ تو خامہ باز آمد — چوں بلبلِ خوشنوا بگفتار
القصہ کہ کار و بارِ دولت — شد آب رواں سبک برفتار
یک گردشِ خامہ کرد آساں — آں امر کہ بود سخت دشوار
وصفِ تو بروں زحدِ محوی ست — بیچارہ زباں کشد بناچار

نظم نشان (۴۰)

بہ تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۴۰ ف

جشن ست بتا بزم برنگِ چمن انداز — مطرب بہ نوا غلغلہ در انجمن انداز
گر ساقیِ فرزانہ مئے ندہد مے — ایں خرقۂ زہا گیر و بہ مرتہن انداز
سرمستم و دریادہ کشتی و قفہ نخواہم — برخیز بہ دو چشم کش و دریائے دن انداز
از کشمکشِ دہر رہا بہ کہ دلم را — در سلسلۂ زلفِ شکن در شکن انداز
اے شاہدِ اقبال بدہ جلوۂ خود را — سرمست بآغوشِ خدیوِ دکن انداز
نوشاہ دریں بزم چو عثمان علی خاں ست — در گردنِ او دست بصد ناز و فن انداز
تا بوسہ نیابی بشمارِ عدد سال — از دستِ گل رو و نہ سیبِ ذقن انداز

تا وعدۂ صد جشن پیاپے نستانی
خود را بکنارش بادب تکیہ زن انداز

چون وعدہ دہد دست بہ آئینِ دعا گو
صد سال بزی صد گرہ خویشتن انداز

محوؔی چو ترا جورِ فلک خانہ بر انداخت
رو بسترِ خود بر درِ شاہِ زمن انداز

نظم نشان (۴۱)

ہنگامِ واپسی اعلیٰ حضرت از دہلی برائے مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر گفتہ شد
۱۳۳۸ف

بزمِ انس ست ہمہ شیشہ و جام ست امروز
بادہ نوشیم کہ ایام بکام ست امروز

صحبتِ صاف کشان بر تو حلال ست امشب
سیرتِ اہلِ ریا بر تو حرام ست امروز

فیضِ عام ست مئے عیش بہ ہر کس بخشند
فرق برخاست یکے پختہ و خام ست امروز

از قدومِ شہِ عثمان علیؔ آصف جاہ
دین قوی بازو و دولت بہ نظام ست امروز

یارِ ما در برِ ما، باز درِ ناز و نیاز
قاصد آسودہ ز پیغام و سلام ست امروز

دل زما، راز زما، بزم زما، یار زما
ہمہ از خویش زبیگانہ کدام ست امروز

مرغِ دل پر بفشان، تیز بپر، چشم ببند
در کفِ دوست سرِ رشتۂ دام ست امروز

تیز تر گام زن اے راہروِ منزلِ عشق
رہ کہ صد مرحلہ بودہ است دو گام ست امروز

نشۂ عشق ندانم بہ کجا انجامد
من سیہ مستم و رہ بر لبِ بام ست امروز

جلوہ فرما و رخ از عاشقِ بیچارہ مپیچ
کارِ بیچارہ بیک جلوہ تمام ست امروز

خواجہ از حالِ دلِ محویٔ مسکیں پرسید | چشمِ الطاف بہ دیرینہ غلام ست امروز

نظم نشان (۴۲)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۵۰ھ بر مصرع طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت

"مجلّی ہمہ مصفّا از جبینش"

ببیں باغ و بہارِ دلنشینش	چمن گلگوں، زمرّد گوں زمینش
چو بوئے مشکبارِ نو عروساں	نشاط افزا ہوائے عنبرینش
صفائے دوستانِ با صفارا	تواں نظارہ کرد از یاسمینش
بیادِ عارضِ گلگونِ جاناں	تواں بوئید روئے نسترینش
بدیدارِ بہارِ سبزہ و گل	چمن بکشاد چشمِ نرگسینش
جلوسِ شاہ گل بر مسندِ شاخ	بیادم داد شاہ و شہ نشینش
شہے فخرِ جہاں عثمان علی خاں	کہ نا دیدہ فلک مثل و قرینش
عیاں شانِ شہی از چشم و ابرو	ہویدا نورِ یزداں از جبینش
سجافِ نیک نامی گردِ داماں	طرازِ راستی بر آستینش
دُرِ "الفقر فخری" طرّۂ تاج	دُرِ "ھو اللّٰہ الغنی" نقشِ نگینش
مزاجش معتدل، نازک نہادش	ز لطفِ امتزاجِ ماء و طینش

ز فیضِ جودِ او ہر تشنہ سیراب | رواں ہر چار سو مارِ معینش

دکن معمور از علم و ہنر شد | ز تدبیرِ رزین و متینش

چناں آراست شہرِ حیدرآباد | کہ پیدا شد جناں بر سرزمینش

سوادِ بلدہ را رنگِ نوی داد | مکانش شد بلند و ہم مکینش

ازو آبادی دیر است و مسجد | دکن نازد بجا بر داد و دینش

زباں گویا ز نطقِ دلکشِ او | سخن شیریں ز شعرِ شکّرینش

ز بختِ سعدِ او یمن و سعادت | دو چار بر یسار و بر یمینش

نمی جوید ز مردم استعانت | خدایش مستعان او و معینش

حصارِ ذاتِ او حفظِ خداوند | دعاے بندگاں حصنِ حصینش

بکارش آفرینِ اہلِ عالم | بجانش رحمتِ جاں آفرینش

نمی دانم چہ خواہم بیشتر زیں | کہ محمود است ہم دنیا و دینش

نہ بگزارم و لے رسمِ دعا را | کہ آمیں گوست خود روح الامینش

جہاں بادا بہ ہر مقصود رامش | فلک بادا بہ ہر صورت معینش

قبولش باد ایں نذرِ عقیدت
ز محوی مدح گوئے کمترینش

نظم نشان (۴۳)

سنہ ۱۳۴۰ھ

ایک باریابی کے موقع پر اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہ بندہ پروری دیر تک شرف کلم بخشا تھا اور فدوی اور فدوی زادوں کے مفصل حالات دریافت اور سماعت فرمائے تھے۔ اس کے بعد ہی عید کی تہنیت میں یہ نظم گزرانی گئی تھی

در دلِ شبہا وصالش از خدا می خواستم
صبحدم ہمت ز ارباب صفا می خواستم

یک شمیم جاں فزا زاں ناز پرور در چمن
در ہوائے شوق از بادِ صبا می خواستم

شد دعا مقبول پیدا گشت ز الطاف خدا
ساز و سامانے کہ از بختِ رسا می خواستم

دولتِ دیدار حاصل شد بہ اندازے کہ من
از خدائے دو جہاں صبح و مسا می خواستم

مرحمت می رفت از تقصیر گاہے پیشتر
شاہ می بخشید و عذرِ ماجرا می خواستم

جوشش مینز د رحمت دمی داد خضرِ رہنما
ہر قدر از چشمۂ آبِ بقا می خواستم

یافتم در سایۂ فرخندۂ ظل اللہ
حسن تاثیرے کہ از بالِ ہما می خواستم

خفتہ عقلم نگر، خاصیتِ خاکِ درش
در طلا می جستم و از کیمیا می خواستم

مرہمِ زخمِ جگر پیدا نہ بود آنجا کہ من
بہرِ ہر یک درد صد دار الشفا می خواستم

کشتیم شد غرق در دریا وے بالیست شد
زانکہ من کارِ خدا از ناخدا می خواستم

عید فرخ آمد و بہر ادائے تہنیت — این چنین روز ہمایوں از خدا می خواہتم
دوش ہنگام دعا محوی ز رب ذوالمنن — بہر شہ توفیق و اقبال و بقا می خواہتم

نظم نشان (۴۸)

کہ از لکھنؤ بملاحظہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی گزرانیدہ شد

۱۳۳۱ یا ۳۲ف

مدیح یار کہ توصیف شہریار کنم — از این دو کار ندانم کدام کار کنم
جمال دلکش جانان کمال حضرت شاہ — بدلبری ست برابر چہ اختیار کنم
چو یار جان من و جان روزگار شہ است — چرا نہ وصف ہماں جان روزگار کنم
ستودہ حضرت عثماں علی کہ در صفتش — ہراں خبر کہ بگویند اعتبار کنم
کشید کلک ازل نقش شاہ و با خود گفت — ازیں طلسم بہ بیں در جہاں چہ کار کنم
برافگنم ز وجودش بنائے جور و جفا — اساس عدل ز احکامش استوار کنم
ز جود و بخشش او کارہائے بستہ قوم — رواں بروئے زمیں ہمچو جویبار کنم
قوی کنم بجہاں در حمایتش دیں را — دوبارہ شوکت اسلام آشکار کنم
بسعی ہمت او گلستان عالم را — پر از شقائق و نسرین و نو بہار کنم
بہر کجا کہ بود راغ باغ گردانم — بہر کجا کہ قفارست لالہ زار کنم
قلم مسخر تیغ ست در جہاں لیکن — مسخر قلمش تیغ آبدار کنم

بجائے حرف و معانی بصفحۂ قرطاس
روان ز خامۂ او درِّ شاہوار کنم

مدیحِ شاہ دراز ست و نطقِ من کوتاہ
بمدحِ او چکنم گر نہ اختصار کنم

زمن مدیحِ گلِ گلستانِ محبوبی
بیادِ بزمِ تو گر نالہ چوں ہزار کنم

ز شمع گریہ چہ حاصل مرا کہ من ایں کار
ہزار بار کنم صد ہزار بار کنم

فراق دیدۂ دہرم ستم کشیدۂ چرخ
ہزار شکوہ ز نیرنگِ روزگار کنم

کشادہ اند درِ درد و بستہ اند ز باب
چرا نہ گریہ چو طفلانِ شیرخوار کنم

بر افگنم ز جہاں رسمِ جاں فزائے امید
اگر سخن ز دلِ نا امیدوار کنم

بہ پیشِ شاہ چہ گویم ز خویش شرمم باد
ز حیلہ ہائے کہ با جانِ بے قرار کنم

گہے بہ نعرۂ "اللہ بس دگر ہوس است"
ملامتِ ہوسِ نفسِ نابکار کنم

گہے بشورِ "رضینا بما رضا" دل را
پئے تحملِ ہر غصہ استوار کنم

گہے بہ پند کہ "دنیا وما علیہا فان"
ز نفسِ جاہ طلب سخت گیر و دار کنم

گہے بقول کہ "حق غالب است بر ناحق"
امیدِ رحمت و تائیدِ کردگار کنم

گہے بوعدۂ حلم و حیائے عثمانی
تسلیِ دلِ غمگین و سوگوار کنم

خلاصہ ایں کہ بہ تسکینِ خاطرِ ناشاد
فریبِ بے حد و تزویرِ بے شمار کنم

مگر خیالِ ضعیفان و خرد سالاں را
نہ قادرم کہ بروں از دلِ نزار کنم

بجائے اشک ز چشمم رواں شود خوناب
چو یاد گریۂ طفلانِ بے قرار کنم

ہزار نالہ و فریاد بر لبم آید | چو یادِ دردِ ضعیفانِ دل فگار کنم
ز غصہ میرم و از درد و غم ہلاک شوم | چو یادِ شیونِ یارانِ غمگسار کنم
ہر آنچہ ہست ز خویش و تبارِ من آنجاست | چگونہ قطعِ تعلق ازاں دیار کنم
بملکِ ہند غریبم چو راہرو در راہ | تمام عمرِ جہاں صرفِ رہگزار کنم
پس از فراقِ چہل سالہ نیست جائے عجب | کہ آں کنارہ زمن، من ازاں کنار کنم
نہ ہمدمے کہ با وحالِ دل کنم تقریر | نہ منزلے کہ دراں یک دو دم قرار کنم
بجانِ شاہ، کہ در حیرتم، نمی دانم | کجا روم، بکہ سازم، کدام کار کنم
گناہِ خویش ندانم، مگر ز پاسِ ادب | سزد کہ توبہ بسانِ گناہگار کنم
گناہ از من و عفوش ز تو، جزا ز خدا | دراز گشت سخن بہ کہ اختصار کنم
سروشِ غیب بگوشم سرود، در حقِ تو | دراز بہرِ دعا دستِ رعشہ دار کنم
بفرّ و شوکتِ شاہانہ تا ابد باشی | ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چکامۂ دیگر | ادائے تہنیتِ قبضۂ برار کنم

نظم نشان (۴۵)

بہ تشکر اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بعد واپسی از زیارت
حرمین شریفین مع تبرکات سنہ ۱۳۵۳ھ

بسے شکرِ فضلِ خدا کردہ ایم | کہ امسال فرضے ادا کردہ ایم

مزارِ نبی، خانۂ کعبہ را | زیارت بصدق و صفا کردہ ایم
طوافِ حرم، سعی بین الصفا | ز سر کردہ پا بارہا کردہ ایم
شب و روز ہمچوں گدایانِ خیل | صدا بر درِ مصطفےٰ کردہ ایم
بہ ہر جا کہ بردند نام رسول | بپا شورِ صلِّ علیٰ کردہ ایم

تو دانی شہا، ایں مبارک سفر | ز نعمت کہ کردی عطا، کردہ ایم
بشکرانۂ ایں عطائے عظیم | بہ ہر جمع مدح و ثنا کردہ ایم
بہ ہر جا کہ گفتند جائے دعا ست[1] | برائے تو آنجا دعا کردہ ایم
چہ اندر حطیم و چہ در ملتزم | پئے تو دعا جا بجا کردہ ایم
چو اہلِ مدینہ پسِ[2] ہر طعام | پئے منعم خود دعا کردہ ایم
ز تو ہدیۂ صد ہزاراں سلام | حضورِ رسولِ خدا کردہ ایم
پئے نونہالانِ باغِ شہی | مناجات بے انتہا کردہ ایم
پئے ملتے کاں بہ بندِ بلاست | دعا ہائے ردِّ بلا کردہ ایم

[1] مطوف طواف کرانے میں ہر ایسے مقام کو بتاتے جاتے ہیں جس کی نسبت مروی ہے کہ وہاں دعا کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے

[2] وہ اہلِ مدینہ جو سرکارِ عالی کی فیاضی اور دریا دلی سے فیض یاب ہیں ہر کھانے کے بعد حضورِ پُرنور کے لئے نہایت خلوص سے دعا کرتے ہیں

پے دید آیاتِ صنع خدا | نظر سوئے ارض و سما کردہ ایم
کدام آں خطائے کہ از ما نرفت | کجا آں گناہے کہ نا کردہ ایم
مگر جرأت ماکہ با ایں ہمہ | تمنائے عفوِ خطا کردہ ایم
دراز ست دستانِ فضلت ازل | با ایں مختصر اکتفا کردہ ایم
بہ پیری سخن چوں نگردد جواں | کہ مشقِ سخن از صبا کردہ ایم
مجو شکوہ محوی زما، زانکہ ما | ہمہ نطق صرفِ دعا کردہ ایم

نظم نشان (۴۶)

بہ تہنیت عید الفطر ۱۳۴۲ھ

موکبِ بادِ بہاری چو در آمد بچمن | خیمہ گادِ شہ گل گشت زمین گلشن
سبزہ گسترد بہ ہر زاویہ دیبائے طراز | ابر پاشید بہ ہر گوشہ گہر ہائے عدن
شبنم افشاندہ بہ اشجار، دگر عطر بہار | باد پاشیدہ بہ ازہار، دگر مشک ختن
باز در نشو و نمایند نگارانِ نبات | باز در نقش و نگار اند عروسانِ چمن
دیدۂ نرگس فتاں ہمہ غنج ست و دلال | طرۂ سنبلِ پیچاں ہمہ پیچ ست و شکن
غنچہ چوں تازہ عروساں ہمہ شرم ست و حیا | باد چوں بلہوساں حیلہ فریب ست و فتن
نسترن در برِ گلزار چو جسمِ تاباں | لالہ در دامنِ کہسار چو شمع روشن
راست گفتند کہ "الجنس الی الجنس یمیل" | لالہ روید بر لالہ و سمن در دشِ سمن

نغمه پرداز طبیعت که نسیمش تا مسند — هر سحرگاه به اشجار نوازد ارغن
به هوائے شه عثمان علی آصف جاه — ناصر دولت و دین خسرو اقلیم سخن
آنکه بے یاوریش ملک نگردد آباد — آنکه بے داوریش خلق نباشند ایمن
آنکه بے بخشش او بهره ز عزّ ست و نه جاه — آنکه بے پرسش او حاصل علم ست نه فن
حرف او موجب پیرایش ایوان بیان — نطق او باعث آرایش گلزار سخن
نیست رزاق و دهد رزق بیک جمع غفیر — نیست پیغمبر و بر خلق نهد فرض و سنن
اے شرف یافته در دهر به انواع هنر — وے بهم گشته در آفاق به اخلاق حسن
علم را با تو همان ربط زبان ست و بیان — فضل را با تو همان نسبت روح ست و بدن
شیوهٔ خوش نگزاری که ظریف ست و جدید — رسم بد را نه پسندی که قدیم ست و کهن
حال هر بنده همی پرسی و میداری یاد — الله الله چه لطف ست و چه حفظ و چه فطن
ظالمان را بکشیدی و به پستی بازد — سرکشان را بگرفتی و شکستی گردن
بے نیازی ز تو افسانهٔ لاف ست و گزاف — بے نیاز از تو درین عهد نه مردست نه زن
هست مرهون سخایت چه سپید و چه سیاه — هست ممنون عطایت چه شمال و چه دکن
محوی گوشه نشین نیز تمنا دارد — گوشهٔ چشم عنایت ز خداوند زمن
چشم لطفے که زمینش برسد قافله اش — تا در کعبهٔ مقصود بیک چشم زدن
همره قافله طفلان همه نادیده جهان — رهبر قافله پیران همه سرگشته چو من
وان پئے خدمت والائے تو بربسته میان — وین پئے عرض دعائے تو کشاده دامن

شمع اقبالِ تو در بزمِ جہاں روشن باد
تا کند شمعِ خرد بزمِ جہاں را روشن

دوستانت ہمہ در عیش و طرب نازو نعیم
دشمنانت ہمہ در درد و بلا رنج و محن

نظم نشان (۴۷)

بہ تہنیت عید قرباں ۱۳۴۲ھ

عید قربانت مبارک اے شہِ صاحبقراں
اے امیرالمومنیں وے دستگیرِ بیکساں

اے کہ ذکرِ خیرِ تو بگزشتہ از اقطاعِ ملک
وے کہ نامِ نیکِ تو بگرفتہ اقصائے جہاں

مہر تاب از مہرِ تو ہر ذرۂ خاکِ دکن
فیض یاب از فیضِ تو ہر گوشۂ ہندوستاں

بگزر از ہند و دکن، خوانِ کرم گستردۂ
بر مثالِ آفتاب از قیرواں تا قیرواں

فضلِ عالمگیرِ تو بیدا اسے ناپیدا کنار
بذل با تدبیرِ تو دریائے ناپیدا کراں

میکنی احساس درد خاطرِ ہر دردمند
می رسد تا گوشِ تو فریادِ ہر فریاد خواں

تو نئی آسودہ تن، خلقے ست گر بیخواب و خور
تو نئی آزادہ دل، قومے ست گر بے خانماں

بیکس و بیچارہ ترکاں جا بجا افتادہ اند
خستۂ تیر و تفنگ و زخمیِ نوکِ سناں

بستۂ بندِ جفا، آوارۂ دشتِ ستم
کشتۂ ظلمِ زمیں، پامالِ جورِ آسماں

می کند چارہ گر بذلت، دوائے درد و رنج
سیر سازد میرِ سامانِ سخایت، آب و ناں

می زند فراشِ فضلت چادرِ آسودگی
می نہد معمارِ رایت، پایۂ امن و اماں

دست می گیری داز قعرِ فلاکت می کشی
شاہِ ترکاں[1] را چو دشمن می شود دورِ زماں

[1] سلطان سابق عبدالمجید خاں کو سرکار آصفیہ سے ایک معقول وظیفہ دیا جاتا ہے

می نویسی در حقش توقیع ادرار مدام / می فرستی جانبِ او این عطائے شائگاں

یاد می ماند بتاریخِ جہاں این بذل و جود / تا ز ترکان ست باقی در جہاں نام و نشاں

زائران[1] اندر حرم ذکرِ عطایت می کنند / از پسِ تکبیر و تہلیل خدائے انس و جاں

بر فرازِ مکرمت امروز گامے می زنی / روز دیگر می زنی یک گام بالاتر ازاں

آنچہ تو کردی نکردہ ہیچ شہ در عہدِ خویش / آنچہ تو دادی نداده ہیچ کس در دودماں

دفتر و دیواں برین دعوی گواہِ عادل اند / گر کسے باور نمی دارد ز محوی این بیاں

تو بمانی در جہاں تا در جہاں ماند سخن / تا سخن را قدر ماند تا سخن را قدرداں

نظم نشان (۴۸)

در تہنیت عید سعید ۱۳۴۱ھ

شاہ را روشنگرِ ہر انجمن باید شدن / ہمچو جاں قوت دہِ ہر عضوِ تن باید شدن

در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز / بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن

در تنِ ہر مملکت روح و روانِ علم ست و فن / پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن

باعثِ معموری ہر سلطنت مرد و زن ست / خواجہ را تسکینِ جانِ مرد و زن باید شدن

[1] حرمین شریفین کے خدام اور سادات وغیرہ کی جو امداد ریاست ہذا سے کی جاتی ہے اس کی مقدار تقریباً اٹھائیس ہزار روپیہ ماہوار ہے اور جو رقم متعلق نذرانوں پر سالانہ صرف ہوتی ہے اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے کم نہیں ہے

در زر و سیم ست مضمر قوتِ قوم و وطن — در پئے تقویتِ قوم و وطن باید شدن
گر کفایت واجب ست و گر سخاوت فرضِ عین — جائے چوبِ خشک و جائے نشترن باید شدن
از عروجِ دین و دانش وز فروغِ عقل و رائے — صاحبِ تدبیر چوں شاہِ دکن باید شدن
حضرت عثماں علی خاں آنکہ در توصیفِ او — ہر بُنِ مو را بجائے خود دہن باید شدن
ملتِ اسلام می گوید بہ آوازِ بلند — ہمچو او دلدادۂ فرض و سنن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماندہی — خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن
گوش بر حکمِ خدائے دو جہاں باید نہاد — رو بسوئے قبلہ بر وجہِ حسن باید شدن
گر تو می جوئی تسلط بر دلِ اسلامیاں — فارغ از اندیشہ ہائے ما و من باید شدن
می نوازی از تکلم ہر کہ و مہ را بہ لطف — خلق را مرہونِ ایں خلقِ حسن باید شدن
بر گلِ خوشبوئے اخلاقِ تو ہر ذی ہوش را — سر خوش و سرشار چوں مرغِ چمن باید شدن
از لبِ نوشین و از شیرینیِ گفتارِ تو — طوطیانِ ہند را شکر شکن باید شدن
اندریں عہدِ ہمایوں می وزد بادِ بہار — قلزمِ عیش و طرب را موج زن باید شدن

ہر کجا ذکرِ کرامتہائے شاہی میرود
محوی خاموش را گرمِ سخن باید شدن

نظم نشان (۴۹)

بہ تہنیت عید اضحیٰ سنہ ۱۳۴۹ھ

زلفِ سیه نه بر رخِ خوباں کشیدهٔ — مشکیں خطے بصفحهٔ قرآں کشیدهٔ
روشن ز روئے تست جہاں پس چه حاصل است — از پردهٔ که بر رخِ تاباں کشیدهٔ
تا دوستدارِ تو نه شود آشنا بخلق — دستش گرفتی و به بیاباں کشیدهٔ
بر محضرِ منوّرِ ایجادِ کائنات — طغرائے حسن و عشق بعنواں کشیدهٔ
سرباز عشق از مئے دردِ تو سرخوش است — ایں مے مگر ز خونِ شہیداں کشیدهٔ
دردے نهادهٔ بدل عاشقان و باز — آں درد را بقالبِ درماں کشیدهٔ
نزدیک تر ز حبلِ وریدی و ایں عجب — صد نشترِ فراق بشریاں کشیدهٔ
جانم فدائے خامهٔ نقش آفرینِ تو — نقشے عجب بصورتِ انساں کشیدهٔ

زانساں مرادِ ماست توئی شاهِ سرفراز — چوں تو سر از حدیقهٔ عرفاں کشیدهٔ
اصلاحِ ملک و ملّتِ بیضا مرادِ تست — وز بهرِ هر دو رنج فراواں کشیدهٔ
هم دست دادهٔ بعزیزانِ بے نوا — هم خارِ غم ز پائے غریباں کشیدهٔ
خوانِ عطا و مائدهٔ بنده پروری — یکساں برائے گبر و مسلماں کشیدهٔ
از لُجّهٔ خیال بکاوِ سخنوری — یک دم هزار گوهرِ غلطاں کشیدهٔ

غازه کشیدهٔ برخِ نظم نو بہ نو — شانه بزلفِ نثرِ پریشاں کشیدهٔ
جائے کہ نعل می فگند اسپ دیگراں — آنجا سمندِ فکر بجولاں کشیدهٔ
مشکل کجاست پیشِ تو درکار، بارہا — امرِ محال در حدِ امکاں کشیدهٔ
پیداست چارسو اثرِ نشّهٔ کمال — از بادہ ہائے فکر کہ پنہاں کشیدهٔ
دانی تباہ کاری جہل و بہائے علم — چوں ہر دو را بکفّهٔ میزاں کشیدهٔ
دستِ عطا و جود، پئے نشرِ علم و فضل — بردی تہی بجیبِ زر افشاں کشیدهٔ
شاہا، بہ سرپرستی تالیف[1] و ترجمہ — نام نکوئے خویش بکیواں کشیدهٔ
تو قدردانِ علمی و از چار سوئے ملک — جمعے ہنروران ہمہ داں کشیدهٔ
خواہد گروہِ بے بصراں رائگاں دہد — دُرہائے بے بہا کہ زعمّاں کشیدهٔ
خواہد بآفتاب مذلّت کند دوچار — آں را کہ زیرِ سایۂ داماں کشیدهٔ
راضی مشو کہ چنگلِ چنگیزیاں رسد — آنجا کہ خوانِ حکمتِ یوناں کشیدهٔ
ثانی ہزار سال کہ تعلیم گاہِ عام — در چار سوئے ملک ہزاراں کشیدهٔ
مدحِ تو منحصر نہ بخیلِ سخنوراں ست — از ہر گروہ و زمرہ ثنا خواں کشیدهٔ

محوی نوائے نغمۂ تو دل نشینِ ماست
ہر چند ایں ترانہ پریشاں کشیدهٔ

[1] اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی کے بے شمار کارناموں میں دارالترجمہ و تالیف کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے جس کی شہرت تمام ممالک اسلامی میں پھیلی ہوئی ہے

نظم نشان (۵۰)

تہنیت و تاریخ جلوس میمنت مانوس اعلیٰ حضرت کہ ذریعہ مدار المہام وقت در آئینہ گزرانیدہ شد

ہزاراں تہنیت از ما رسان و حضرت آصف   ترا در بزم سلطانی اگر باد صبا راہ است
اگر پرسند از تو سال جشن مسند آرائی   بگو خود یادگار جشن نام نیکوے شاہ است

یعنی

"نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ"[1]

۱۹۱۱ء

ازاں پیدا است کز روز ازل شاہ قدر قدرت   خداوند سریر و تاج و طبل و مسند و گاہ است
زہے خود داری و نام نیکو و غیرت شاہی   پے تاریخ ہم از منت اغیار اکراہ است

بہ قانون فرنگی زاں کشید ایں نغمہ را محوی
کہ جشن[2] شاہ ہم آہنگ با جشن شہنشاہ است

---

[1] یہ عبارت اس بحر میں آجاتی ہے مگر متوالی اور لاحاصل اضافتوں کی وجہ سے میں نے بجائے شعر کے اس طرح لکھنا زیادہ تر مناسب تصور کیا

[2] اسی سال انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی ہوئی تھی

متفرق قطعات و رباعیات وغیرہ

قطعہ

سرم[1] زعزت اصلاح شاہ ذرّہ نواز — بلند گشت و برفعت ز آسماں بگزشت
ضیائے زہرہ و تنظیم عقد پرویں یافت — چو نظم من زنگاہِ خدائگاں بگزشت
نواخت شاہ بشاگردیم در آخرِ عمر — ہزار حیف بعمرے کہ رائگاں بگزشت
چو ایں عطیۂ عظمیٰ نصیب شد محوی — مگو کہ عہدِ عروج سخنوراں بگزشت

قطعہ تاریخ مکان نو کہ بحکم اعلیٰ حضرت قریب نذری باغ تعمیر شدہ بود

بحکم حضرت عثمان علی، خدیو دکن — کہ تازہ از دم او باغ دانش و دین ست
کشیدہ اند برنگے نگار ایں تعمیر — کہ سال فصل ہویدا ز "باغ رنگین" ست
۱۳۳۳ف

قطعہ تاریخ تولد عالی جناب شہزادہ نواب میر برکت علی مکرم جاہ بہادر طول عمرہٗ

یک ہزار و سہ صد و چل و سہ بُد — سال فصلی باعتبار دکن
۱۳۴۳ف
بود آدینہ، اوّلِ آذر — کہ گلِ نو شگفت در گلشن
یعنی آمد بروں ز پردۂ غیب — شاہدے گلعذار، غنچہ دہن
داد فرزند، خالق عالم — بہ ولی عہد پادشاہِ دکن
شد خطابش ز شہ مکرم جاہ — فال نیک ست بہر اہل وطن
ہست پیدا ز لوحِ ناصیہ اش — صولتِ حیدری و خلقِ حسن

[1] اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہ الطاف خداوندی میری ایک نظم میں بعض الفاظ کے ردّ و بدل کا مشورہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کو بدل دیا اور اس سے وہ اشعار پہلے سے زیادہ تر بہتر اور چست ہو گئے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا

قرۃ العین مادر و پدر ست | راحتِ جان پادشاہِ زمن
نہ فقط آسیا کہ یورپ ہم | شد ز فرتاب نامِ او روشن
مولد اوست "نیس" ملکِ فرنگ | کرد شان می دہد زباغِ عدن
می زند گل بہ گل دم از تبریک | تہنیت خواں ست ہم چمن بہ چمن
می وزد در چمن نسیمِ بہار | می دہد باد بوئے مشکِ ختن
رخت بربست غم زخاطرِ خلق | جانِ شد عیش و نشاط را مسکن
یا رب عمرش دراز باد بہر | بطفیلِ شہِ حجاز و وطن

تاریخ ورودِ شہزادہ موصوف از دیارِ فرنگ بحیدرآباد (دکن)

میر برکت علی مکرم جاہ | نونہالِ ریاضِ شاہِ دکن
للہ الحمد زیرِ سایۂ شاہ | گشت رونق فزائے باغِ وطن
از قدومش کہ نیز تاریخ ست | "دل و جاں شاد چشم و جاں روشن"

۱۳۵۲ھ

برائے عید اضحیٰ ۱۳۴۱ھ از پیش گاہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی ایما رفتہ بود کہ بجائے قصائد، قطعات یا رباعیات پیش شوند بامتثالِ امر ایں چند قطعات گزرانیدہ شد

قطعہ

عیدست و بہارست و نشاط ست و سرورست | تا چشم کنی وا ہمہ نورست و ظہورست
ہم دیدہ ورانند پئے دید ہمہ چشم | ہم منظرِ انوارِ الٰہی بحضورست

دیگر

جہاں ست پر ز نوائے عید پادشاہ نیست — صفا و صدق گر مروہ و صفا نیست
بیار ہدیۂ تسکیں بیا بہ کعبۂ دل — کہ بر زمیں ست اگر خانۂ خدا نیست

دیگر

برائے ما ہمہ عیدے بہ از لقائے تو نیست — صدائے خیلِ غریباں بجز دعائے تو نیست
منا ز محوی ناداں بہ یک دو بیتِ ثنا — کہ پادشاہِ ترا حاجتِ ثنائے تو نیست

دیگر

فلک بکامِ تو بادا جہاں بہ رائے تو باد — قدر معاون و توفیق رہنمائے تو باد
بقائے رونقِ دیں از کفِ کشادۂ تست — زبان بستۂ اسلام در دعائے تو باد

دیگر

چہار اوصاف بود لازمۂ خدمت شاہ — بخت و برنائی و کار آگہی و دانائی
محوی پیر جز اخلاص ندارد وصفے — در حقِ شاہ جواں بخت چہ می فرمائی

دیگر

خالی از نغمۂ مدح تو مرا گوش مباد — نطقم از ذکر کرمہائے تو خاموش مباد
گر تو ہم قسمتِ ہر بندہ دہی در شبِ قدر — قسمتِ محوی بیچارہ فراموش مباد

قطعہ تاریخ ازدواج اعلیٰ حضرت باحضرت مظہر النسا بیگم صاحبہ دختر خرد امام جنگ مرحوم

دوشیزۂ بشاہ چو گوہر سپردہ اند | بر رسم دیں عروس شہ پرسپردہ اند
تاریخ ازدواج ز محوی شنو کہ گفت | "نوشا بہ را بلطف سکندر سپردہ اند"

۱۳۴۱ھ

دیگر

منزل خورشید چرخ برتری | گشت روشن چوں ز حسن دل فروز
خواند محوی مصرعۂ تاریخ عقد | "اقتران ماہ و مہر نیک روز"

۱۳۴۱ھ

قطعہ

ماکہ اخلاص ز سر تا بقدم آمدہ ایم | چند گاہ است کہ در پنجۂ غم آمدہ ایم
از پس فرقت سہ سالہ ز اطفال و عیال[1] | باز در سایۂ لطف تو بہم آمدہ ایم

قطعہ

چوں دور زماں داد مرا عیش بباد | افسردم و شد نشاط شعرم از یاد
امسال بجز دعا نگفتم شعرے | بر قول عرب کہ در نشاط ست نشاد[2]
آنکس کہ ترا شاد نخواہد بجہاں | یا رب بجہاں خرم و دل شاد مباد

---

[1] بعض حضرات کی سعایت سے میرے تین سال بے حد پریشانی اور پراگندگی میں گزرے کبھی ایسا ہوا کہ بال بچے یہاں تھے اور مجھے لکھنؤ میں رہنا پڑا اور کبھی وہ لوگ وہاں رہے اور میں حیدرآباد آگیا۔ تقریباً تین سال کی سرگردانی کے بعد ہم لوگ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے الطاف شاہانہ سے پھر ایک جگہ جمع ہو سکے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ عرض کیا گیا تھا

[2] عرب کہتے ہیں "النشاد فی النشاط" یعنی شعر کہنا اور سنانا خوشی میں زیبا ہے